

تھے اور اب عدالت و مال کے ایوان میں کرسی نشین ہیں، ادھون نے مدت ہوئی کہ اردو شاعری کے محاسن پر غالباً اردو کے معنی کی پہلی ابتدائی جلد دن میں ایک مسلسل مضمون لکھا تھا اور ثابت کیا تھا کہ اردو شاعری کی طرف جن معائب کی نسبت کی جاتی ہے اور ان سے انگریزی بھی معذور ہے، اور پھر مغربی ادب شاعری کی جو تعریف کرتے ہیں اس معیار پر اردو شاعری بھی پوری اترتی ہے اور اسی ضمن میں انگریزی اور اردو شاعری کا باہم موازنہ کیا تھا یہ پورا سلسلہ نہایت پر معلومات اور دلچسپ تھا اور لوگوں نے اس وقت اس کی بڑی داد دی تھی، اب انوار المطالع لکھنؤ نے اس کو رسالہ کی صورت میں شائع کیا ہے، لکھائی چھپائی کا غدغده، صفحات ۸۸ قیمت ۸ روپے، انوار المطالع نمبر ۳۷ دکنیہ پریس بنگلور۔

اولاد کی شادی، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کا اس باب میں کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ ان کو اپنے مضامین اور تصنیفات کے لیے خوب خوب عنوانات سوچتے ہیں، اور پیش پا افتادہ باتوں سے وہ ادسی طرح کام کی باتیں پیدا کر لیتے ہیں، جس طرح مٹی کے ڈھیر سے سونا اور ریزون سے موتی نکال لیتے ہیں، یہ بیوی کی تعلیم کا تیسرا حصہ ہے اس میں اولاد کی شادی میں کن کن باتوں کا لحاظ اور کن کن پہلوؤں پر نظر ڈالنی چاہیے اس پر بحث کی ہے، یہ حصہ ہکو اس سلسلہ کے دوسرے حصوں سے زیادہ پر معلومات زیادہ عالمانہ اور زیادہ مفید نظر آیا، شرعی، ریکی، دنیاوی، عقلی ہر پہلو سے اولاد کی شادی کے مسئلہ پر خیال آرائی کی گئی ہے اور والدین کو بہترین مشورے دیے گئے ہیں، آخرین ایک طویل فسانہ ہے جس پر کتاب ختم ہو جاتی ہے، لکھائی چھپائی کا غدغده، قیمت ۸ روپے، خواجہ بکٹ پورہ بانگ جرس، مولوی مسعود علی صاحب بریلوی نے اس نام سے چند قومی نظموں کا ایک مختصر مجموعہ شائع کیا ہے، ۱۹ صفحہ کا رسالہ ہے، قیمت ۲ روپے، شرقی کتب خانہ لاہور۔

راہ و رسم منزلہ، مولوی ابورشد عبد المجید خان صاحب سالک بٹالوی، زمیندار لاہور کے محبوں ڈیڑھ کی چند متفرق نظموں کا مجموعہ، سالک کی قومی شاعری بے مزہ نہیں ہے اور قدردانی کی مستحق ہے قیمت ۸ روپے دارالاشاعہ لاہور۔

جلد دہم | ماہ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۱۲ء | عدد دوم

## مضامین

۱۶۵ - ۱۶۲	شذرات
۱۶۳ - ۱۶۶	انسان اور اسکی کمزوریاں
۱۶۶ - ۱۸۶	کندی اور اسکا فلسفہ
۱۸۶ - ۱۹۶	تاسی کا تذکرہ شعراے اردو
۱۹۶ - ۲۰۶	شانتی نیکیستان
۲۰۶ - ۲۱۸	عہد سلاطین ہند میں ڈاک کا انتظام
۲۱۹ - ۲۲۳	برطانی اثر اور تمدن ہند
۲۲۴ - ۲۳۰	اخبار علمیہ
۲۳۱ - ۲۳۳	محمد علی کی یاد میں
۲۳۴ - ۲۳۶	تنقید دیوان فانی
۲۳۸ - ۲۴۰	مطبوعات جدیدہ

## اسوہ صحابہ جلد دوم

از مولانا عبدالکلام ندوی

کتاب مذکور کا دوسرا حصہ حسین صاحب کرام کا نظام سیاسی اور ملکی انتظامات اور علمی خدمات کی تفصیل ہے، تفسیر، حدیث، فقہ، اسرار دین، تصوف وغیرہ علوم جس قدر صحابہ کے عہد میں پیدا ہو چکے تھے ان کی تفصیل ہے، ضخامت ۴۵۰ صفحات، قیمت للبر

منہجر



## مشکلات

موسیوی سینا، فرانس کے ایک نامور مستشرق ہیں، ان کو علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ تصوف سے دلچسپی ہے، اور صوفیہ میں سب سے زیادہ حسین بن منصور حلاج سے، انھوں نے حلاج کی ایک تصنیف کتاب الطواصین شائع کی ہے، اور عربی و فارسی میں حلاج کے جس قدر حالات مل سکے ہیں، ان کو یکجا کر کے چھپوایا ہے، فرانس کے زمانہ قیام میں موصوف سے کئی دفعہ ملاقاتیں ہوئیں، اب انھوں نے فرانسیسی زبان میں حلاج پر دو ضخیم جلدیں لکھی ہیں، جن میں حلاج کے متعلق جس قدر لٹریچر ہے ان سب کو اپنی زبان میں منتقل کیا ہے، اور وحدۃ الوجود وغیرہ تمام مسائل کی اور حلاج کے اقوال کی ایک ایک باب میں تشریح کی ہے، موصوف نے یہ دونوں جلدیں ہدیہ بھیجی ہیں، لیکن افسوس کہ ان اسرار کو فرانسیسی صوفی کے سوا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا، تاہم جہان تک عنوانات پڑھ سکا اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ مولف نے بحث کا استقصا اخیر تک کیا ہے، علماء یورپ جو شغف و ذوق ہمارے علوم و فنون کے ساتھ رکھتے ہیں، کاش کہ ہم خود ان کے ساتھ رکھ سکتے۔

اس مہینہ کی ڈاک سے بران سے ایک نیا فارسی رسالہ ایران شہر ہمارے پاس پہنچا ہے،

اس کے اڈیٹر آقا حسین کاظم زادہ تقیم برلن ہیں، سمارو کے بعد یہ دوسرا رسالہ برلن سے شائع ہوا ہے، بالفعل یہ چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحوں پر نکلا ہے، مضامین تمام تراوی ہیں، رسالہ نے اپنا مقصد، مشرق مغرب کو باہم شناسا کرنا ظاہر کیا ہے، نائپ کی خوبصورتی اور طبع کی صفائی اس قدر دلنشین ہے کہ رشک ہوتا ہے کہ ہندوستان کیوں اس جنس سے محروم ہے، ہندوستان میں اس کی قیمت ایک پونڈ سالانہ

اور پتہ یہ ہے: ایرانشہر، برلن ڈبلو، ۳۰، مارٹن لیو تھراسٹریٹ، ۵، Berlin No. 30, Marten. ۵. *Leather Street* بالفعل ماہوار ہے، آئندہ مہینہ میں دوبار ہو جائیگا، آقا کاظم زادہ نے ایک خط بھی بھیجا ہے، جس میں لکھا ہے کہ قدر شناسان ہند اسکی حوصلہ افزائی کریں، فارسی اب تک ہمارے مدارس اور کالجوں میں زندہ ہے، اکثر طلبہ اور بعض اساتذہ فارسی رسائل کا پتہ پوچھا کرتے ہیں، ایران سے ڈاک کا سلسلہ منقطع نہیں، اسلئے بہتر ہے کہ وہ اس راستہ کی خریداری کریں،

جدید فارسی و عربی رسائل سے جہان اور بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، ایک خاص فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ جدید اصطلاحات اور یورپین محاورات سمجھنے بہت سے نئے الفاظ ہاتھ آتے ہیں، "ماستر" ہیں کے لیے اردو میں کسی نے "ادب عالیہ" کا لفظ استعمال کیا، مہدی مرحوم اس کا ترجمہ ہمیشہ "اخراج" فائدہ کیا کرتے تھے، اور ان کی پیردی میں اور لوگ بھی یہ لفظ بولنے لگے ہیں، ایرانشہر نے اس کے لیے "شاہکار" کا لفظ استعمال کیا ہے، جو ہمارے خیال میں دوسرے الفاظ سے زیادہ لطیف و نازک اور اردو کے مزاج کے مناسب ہے،

دولت آصفیہ و کربن نادر عربی تصنیفات کے نشر و اشاعت کی جو خدمت دائرۃ المعارف کے ذریعہ سے انجام دے رہی ہے، اس کا اعتراف نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام بلاد اسلامیہ میں کیا جا رہا ہے، علوم حدیث اور خصوصاً اسرار الرجال کی جس قدر کتابیں اس صیغہ سے شائع ہوتی ہیں، وہ کہیں دوسری جگہ نہیں ہوتی ہیں، اس وقت تک دائرہ نے مختلف علوم و فنون کی ۴۵ ضخیم کتابیں شائع کی ہیں جنہیں علم کلام، تصوف، تفسیر، حدیث، ادب، لغت، صرف و نحو، تاریخ، اسرار الرجال کی کتابیں داخل ہیں، اسی حال میں وہاں سے امام حاکم کی مستدرک علی الصحیحین جو علم حدیث کی ایک نادر الوجود تصنیف ہے،



چھپر شائع ہوئی ہے، ابھی بالفصل پہلی جلد چھپر تمام ہوئی ہے اور دوسری جلد زیر طبع ہے، امام یافعی کی مرآت الجن  
تاریخ و فیات میں بہترین تصنیف ہے، اسی سال وہ دائرہ سے چار جلدوں میں چھپر شائع ہوئی ہے  
اس سے پہلے سال علامہ ذہبی کی مختصر تاریخ دول اسلام چھپر نکلی تھی۔

+

جناب مولوی سید علی اصغر صاحب بگرامی ناظم آثار قدیمہ، سرکار عالی (حیدر آباد دکن)  
اپنے ایک نواز شامہ میں مطلع فرماتے ہیں کہ ادن کے ذاتی کتب خانہ میں کچھ فلی نواد موجود ہیں، منجملہ ادن کے  
ایک "مصلح المتجد" فقہ شیعہ میں ایک کتاب ہے، اس کے مصنف علامہ شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن لطوسی  
ہیں، یہ مشہور قدیم مصنف ہیں، اور بہت سی تصنیفات یادگار ہیں، مثلاً تفسیر طوسی، مجمع البیان، معلوم القرآن  
تہذیب الاحکام، استبصار، مبسوط، نہایہ، وغیرہ انکی سب سے مشہور تصنیف، نہرست کتب الشیعہ ہے،  
جو نکال ایشیاٹک سوسائٹی سے چھپر شائع ہوئی ہے،

\*

مصلح المتجد کا قلمی نسخہ درحقیقت متعدد حیثیات سے ناوردہ روزگار ہے، یہ نسخہ صفر ۱۱۵۵ھ کا  
لکھا ہوا ہے، اور بجائے سیاہی کے شبرہ خرماسے اس کی کتابت ہوئی ہے، خط خالص عرب ہے، آخری خلیفہ  
بندہ المستعصم باللہ کے مشہور وزیر محمد بن علقمی کی فرمائش سے یہ نسخہ تیار ہوا تھا، اور خود ابن علقمی کے ہاتھ  
کے دستخط اور سپر ہیں، علاوہ برین متعدد داکر علمائے شیعہ کی نظروں سے یہ نسخہ گزر چکا ہے، چنانچہ شہید اول  
محمد بن مکی، شہید ثانی زین الدین اور ملا محمد باقر مجلسی کے حواشی اور سپر ثبت ہیں، اس نسخہ میں خط کی بھی  
بعض خصوصیات ہیں، مثلاً اضافت کے لئے یہ (۶) علامت اور علامات جو اس طرح (۲۲) استعمال کئے گئے  
ہیں، بعض مقامات پر لفظ العن فیہما، اس طرح لکھا ہوا ہے، جس میں کوئی خط کی شان ہے، کات پر مرکز  
نہیں بنایا گیا ہے، مثلاً ارکان، کل، برکات کو اس طرح لکھا گیا ہے، ارکان، کل، برکات،

جنگ عظیم سے قبل یورپ کی آبادی میں مرد و عورت کے درمیان ۱۱۰۰۰ اور ۱۰۳۰۰ کا تناسب تھا،  
اب یہ تناسب آبادی ۱۱۰۰۰ اور ۱۱۱۱۱ کا ہو گیا ہے، آخری اعداد کے بموجب یورپ میں مرد و عورت کی کل  
آبادی ۲۲۵۰۰۰۰۰۰ ہے اور عورتوں کا مجموعی شمار ۲۵۰۰۰۰۰۰ ہے، گویا اثاث کی تعداد بہ مقابلہ  
ذکور کے بقدر ۲۴ کروڑ کے زائد ہے! جو عقلا وقت، دھکما، حصر اسلام کے جواز تعدد از دولج کو خلاف  
عقل و خلاف فطرت ارشاد فرماتے رہتے ہیں، وہ براہ کرم ان ڈھائی کروڑ فاضل عورتوں کے لئے موافق  
عقل و مطابق فطرت پارسایانہ زندگی کا کوئی طریقہ ایجاد فرمائیں گے؟

+

اسی "موافق عقل" و "مطابق فطرت" طرز معاشرت کے نتائج کے سلسلہ میں یہ خبر بھی دلچسپی سے  
سنی جائیگی کہ الینوس (امریکہ) کی عدالت عالیہ، صیغہ طلاق کے جج، مسٹر سیبتو کے سامنے دو سال کے  
عصہ میں ازدواجی زندگی سے متعلق ۶۵۰۰ مقدمات پیش ہوئے، اور ان مقدمات کی نوعیت، نیز  
ادن کی کثرت کا بار ادن کے دماغ پر اسقدر پڑا کہ بالآخر انھیں سستانے کے لئے ایک طویل رخصت  
لے لینا پڑی ہے،

غفلت و جہشی کی انتہا یہ ہے، کہ ہمارے ہموطن و ہم قوم اس قسم کے واقعات ہر روز سنتے اور  
دیکھتے رہتے ہیں، پھر بھی حیرت نہیں، اور جس لیلے تہذیب کی یہ کرشمہ سازیاں ہیں، بدستور اسی کے  
بمطابق مفتون بنے ہوئے ہیں! اردکون کے اخلاق اگر غارت ہوتے ہوں، لیکن انگریزی کلچ کی سند  
مرد را تہ آجائے، اردکیون کی عصمت و شرافت اگر خطرہ میں پڑتی ہو تو پڑے، لیکن اونکا انگریزی  
لفظ بہر حال "میم صاحبون" کا سا ہونا چاہیے، دولت، صحت و سکون قلب اگر گھرانوں سے رخصت  
ہو رہا ہو، تو ہو، مگر اس ننگ کو کیونکر گوارا کیا جاسکتا ہے کہ خاندان کا کوئی رکن، حکومت وقت کے کسی



# مقالہ

## انسان اور اسکی کمزوری

از

مولوی عبدالرحمن نگرانی، ندوی صدر مدرس جامعہ سبکدہ

عجائب زار ہستی کی یہ عجیب ترین مخلوق انسان طرح طرح کی متضاد اور مخالف قوتوں کا مجموعہ ہے، عالم کائنات میں اسکا سر جتنا ہی بلند ہے اتنا ہی عالم تخلیق میں وہ پست ہے۔ وہ اپنے آپ کو جقدر قوی، مضبوط، اور اونچا جانتا ہے، اسقدر وہ اپنی خلقی کمزوریوں کے لحاظ سے ضعیف، ناتوان اور نیچا ہے، بے شبہ اسکی عقلی، ذہنی، اور دماغی قوتوں کا تفوق، سب بالا تر ہے لیکن اس کے اس تفوق کی عمارت کچھ بنیادوں پر قائم ہے کہ ذرا سی ٹھیس تمام عمارت کو تہ و بالا کر دے سکتی ہے ایک انسان جو آج سوسائٹی میں اپنی اخلاقی فضیلتوں کے باعث نامور اور قابلِ تعریف ہے کل وہ ایک معمولی سی غلطی پر سب کی آنکھوں میں کھٹکنے لگتا ہے، اسکی طرف انگلیاں اٹھنی شروع ہو جاتی ہیں وہ شرم و ندامت سے اپنی جھلیوں میں سر نہیں اٹھا سکتا،

مذہبی طور پر اسکی ان کمزوریوں کی اصلاح و طریقوں سے کی جاسکتی ہے یا تو شمار برائیوں کے لئے بے شمار مانتیں اور بد امتیں دی جائیں، اور یا چند ایسی بنیادی برائیوں پر انسان کو مطلع کر دیا جائے جنکی اصلاح سے سنگڑوں مقاصد کا سد باب ہو جائے۔ ذیل میں چند ایسی چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے جنکو قرآن کریم خاص طور پر انسانی طبیعت کی کمزوریوں میں شمار کر رہا ہے اور جنکے متعلق بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ ہماری معاشرتی کوتاہیوں اور نہ صرف ہماری آپس کی کوتاہیاں بلکہ ہمارے بہت سی وہ قصور جو متعلق بہ عبادت پر ہیں

انہیں کمزوریوں سے پیدا ہوتے ہیں اور اگر ہم اپنے مشنول اور سر تا پا تمنا و آرزو اوقات عمر عزیز میں سے چند لمحہ اپنی ان خلقی حالتوں پر غور کر لیا کریں تو بڑی امید ہے کہ ہمارے نفوس کی بہت سی برائیوں کا علاج ہو جائے اور اکثر ہمارے درمیان پیدا ہونے والے جھگڑے، ایک دوسرے سے بدگمانی اور ذات باری تعالیٰ کے متعلق بہت سی بے ادبیوں کا خاتمہ ہو جائے۔

یہی انسان کی کمزوری ہے جو گناہوں کا سر چشمہ، برائیوں کی بنیاد، اور بد کاریوں کی جڑ ہے، دوسری حیثیت میں اگر انسان کے لئے پیغام رحمت، وسیلہ عفو، اور آیت بنگلی، **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا خُذُوا زِينَتَكُمْ** اور **وَلَخَلَقَ الْاِنْسَانَ ضَعِيفًا** خدا چاہتا ہے کہ ہمارے بار کو ہلکا کر دے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے، انسان اپنی اصلی حالت میں، انسان کو اگر تعلیم و تربیت سے علیحدہ کر دیا جائے تو وہ صرف ایک مستقیم قامت حیوان باقی رہ جائیگا۔ اکبر نے گنگ محل بنا کر فطرت انسانی کا جو تجربہ کرنا چاہا اگر وہ تاریخی حقیقت سے ثابت ہے تو اس کے ثبوت کیلئے کافی ہے، اسید طرح محض علم و عقل پر اگر اسکی حیات اور معیشت کا مدار ہے تو اس کے الحاد اور سرکشی کا وہ عالم ہو گا جسکا نمونہ قریب قریب سارے یورپ میں منظر آ رہا ہے، ہان وحی و اہام کی آبیاری، فطرت کا فیض، بارگاہ قدس کی مہربانیاں، اسکا ساتھ دین تو وہ تمام فضائل کا، خوبیوں اور اخلاق کا مجسمہ بن جائے، اسکی اہل خلقت ہر قسم کے رنگ روپ، اور نقش و نگار سے عاری ہے، اسکو اسی حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ دنیا کی سب سے زیادہ خوار و ذلیل مخلوق ہو جائے، جو حال وقت اور زمانہ کا ہے کہ خود اس کے اندر کوئی خوبی نہیں حالات اور کیفیتوں کے اعتبار سے زمانہ کو البتہ اچھا اور برا کہا جاسکتا ہے یعنی یہی حال انسانوں کا ہے، کہ جب تک وہ وحی و اہام کا دامن تھامے رہیگا بھلائی اس کے حصہ میں رہیگی **وَالْعَصْرُ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ** زمانہ شاید ہے کہ انسان (اپنی خلقت کے اعتبار سے) نقصان مند میں ہے، یہ سورہ مبارک جس طرح تاریخی اور سیاسی عبرت ہے ٹھیک اسی طرح ایک اصولی اور اخلاقی تعلیم ہے۔



عجلت پسندی | عجلت انسان کے خمیر میں ہے، جوش، اشتعال، مسرت اور غیظ و غضب کے بحران میں وہ کیا نہیں کر گذرتا سکون ہوتے ہی ان مختلف جذبات کے نتیجہ میں اسے ندامت اور سرمندی ہی ہاتھ آتی ہے ہماری موجودہ تحریک آزادی کتنی صعوبتوں، کیفیوں، اور قربانیوں کی طلبگار ہے حصول مقصد کے لئے رفتار کار کے مطابق مدت بھی درکار ہے یہ سب کچھ ہر مگر کارکن نوجوان، غفلت شعار شہیار کس قدر جلدی چاہتے ہیں، اپنا تو یہ حال ہے اور ہر فرق غالب طاقت کی بدستی میں پکارتا ہے کہ خداوندی طاقتیں برحق ہیں تو وہ جلد سے جلد کیوں نہیں ظاہر ہوتیں اُبھٹ کر بنا لیتے ہیں کیا وہ ہمارے عذاب کے بار میں جلی کر رہے ہیں بسا اوقات عالم یاس میں لوگ کسی مصیبت ناگہانی، اتفاقی موت، یا آسمانی حادثہ کی دعائیں مانگتے لگاتے ہیں یہ اسکی پست ہمتی، بے صبری اور زود پسندی کا نتیجہ ہے دیکھ انسان بالشرار عاقل بالخبیر مکان الانسان عجیب لانا انسان بجلالی کی طرح اپنی برائی کے لئے بھی دعا کرنے لگتا ہے کیونکہ انسان عجلت پسند ہے

اضطراب اعراض | ہر طبقہ کے انسان اپنے اپنے مرتبہ منصب کے مطابق مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں اگر باکیئے فکر و خیال، امر کیلئے خوف، مال حکومتوں کو اندیشہ زوال، رع جن کے رتبہ میں سوا ان کو سوا مشکل ہے سب ہی اپنی اپنی مصیبتوں میں خدا کو پکارتے ہیں حد ہو گئی کہ الحاد زار یورپ میں بھی کبھی کسی جھلک نظر آجاتی ہے جرنی کا خطرہ پیش آیا تو انگلستان کے گرجے، ہندوؤں کے مندر، اور مسلمانوں کی مسجدیں ہر ملت و مذہب کی عبادت گاہیں سرکاری طور پر دعا کے لئے منتخب کی گئیں مصیبت میں یہ عاجزی و انکسار اور دفع مصیبت کے بعد ہی یکلم خداوندی حقوق کا انکار یا للعجب، اِذَا تَوَلَّى عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَتَوَلَّى بَيْنَهُ إِذَا مَسَّ الشَّرَّ لَدَدٌ عَاوِغٌ لُّيْضٍ - جب ہم انسان پر اپنی نعمتیں نازل کرتے ہیں وہ اعراض کرتا ہے اور اپنا پہلو پکاتا ہے اور جب قبلائے مصیبت ہوتا ہے تو لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے،

دو عجیب حالتیں | عالم یاس کی دعا، اور حالت ثروت کا اعراض بھی کیسا عجیب ہے ایک وقت

انسان ناامید اور دوسرے وقت اُمید سے سرشار ہوتا ہے ایسا میں بہت کم اور یورپ میں بہت زیادہ خود کشی کے جو واقعات روزمرہ پیش آتے رہتے ہیں وہ اکثر پہلی حالت کا نتیجہ ہوتے ہیں دوسری حالت کم و بیش دونوں براعظموں میں اور خصوصیت کے ساتھ ہمارے ملک میں بیشتر پائی جاتی ہے غریب و فلاکت کی زندگی بسر کرنے کے بعد دیکھا گیا ہے کہ حسن اتفاق، یا قوت بازو سے بہتوں نے انفرادی طور پر دولت پیدا کر لی لیکن دولت کے حامل ہوتے ہی، خدا، انسان، اقرباء، قوم، مذہب، سب کے حقوق بھول جاتے ہیں۔ ان دو حالتوں پر بڑی احتیاط سے نظر رکھنا چاہئے کہ بڑا حصہ دنیا کے گناہوں کا انہیں دو کیفیتوں کے علاوہ عمدہ طور سے پاسے جانے یا باہمی امتزاج سے پیدا ہوتا ہے، وَلَكِنْ أَذْنًا الْإِنْسَانُ بِشَارِ حَمَّةٍ ثُمَّ نَزَّ عَنْهَا مِثْرَانَهُ لِيُؤْمِنَ كَقَوِيٍّ وَلَكِنْ أَذْنًا لَعْنَةً لَعْنَةً لَعْنَةً ثُمَّ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ الشَّيْءُ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحَ فَخُورٌ - اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے کوئی رحمت دیتے ہیں پھر اس سے نکال لیتے ہیں تو پھر وہ ناامید اور ناشکر بن جاتا ہے اور اگر تکلیف کے بعد اسے آرام نصیب ہوتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ اب تو میری سب تکلیفیں رفع ہو گئیں وہ خوشی سے پھولا نہیں سہاتا اور فرسے بھر جاتا ہے،

الزام | اسی طرح انسان تاج کو اپنے اعمال کی سزا نہیں سمجھتا بلکہ کشائش رزق اور تنگی و ضیق کی حالت کو دو عجیب و غریب اثرات کی طرف منسوب کرتا ہے فراوانی رزق کو اپنی خوبی پر محمول کرتا ہے جس کے باعث پروردگار عالم اسکی تعظیم کرتا ہے تنگی رزق پر ناخوش اور خفا ہوتا ہے، فَاَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَسَّ الْبَلَاءَ رَبَّيْهِ فَانْكَرَ ثُمَّ يَقُولُ رَبِّيَ الْكَرْهُنُ وَآمَنَّا إِذَا مَسَّ الْبَلَاءَ فَقَدَّرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ يَقُولُ رَبِّيَ أَهْلًا إِنَّ الْإِنْسَانَ كَوَحِيٍّ اسکا پروردگار آزماتا ہے اس پر کرا کرنا ہے نعمتیں دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری تعظیم کی اور جب اسے آزمائش میں ڈالتا ہے روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری توہین کی،



خود کا متاثر | انسان اپنی بہتری کا اتنا خواہاں ہے کہ کسی حال میں بھی بھلائی کی دعا اور نیکی کی طلب نہیں تھکتا لیکن اگر کہیں ذرہ برابر بھی اسکی خواہش کے خلاف کوئی امر واقع ہوا تو اس کی امیدیں برباد ہو جاتی ہیں وہ اپنے مقام پر یاس و ناامیدی سے جم کر رہ جاتا ہے گویا کہ عمل و فعل کی دنیا سے اسے کوئی لگناؤ ہی نہیں۔ حالات کا رخ بدلا۔ زمانہ موافق ہوا، مصائب کا بادل چھا تو وہ اس کو بھول کر کہنے لگتا ہے کہ یہ جو کچھ ہوا میرے زور بازو اور قوت عمل سے ہوا لایسٹم الانسان من دعاء الخیر وان مسه الشر لیوسی قنوطا لیکن اذ قنأ دحمتہ من ان لعل ضلأء مسہ لبقولن ہذا لی۔ انسان کہی بھلائی کی طلب نہیں تھکتا۔ مصیبت آتی ہے تو وہ مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے اور مصیبت کے بعد جب راحت آتی ہے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ جو کچھ ہے میرے سبب ہے۔

ناشکری | ان مختلف کیفیتوں کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان کے دل سے خداوند عالم کی نعمتوں کا اعتراف اور اس کے انعامات بیکران کا اقرار محو ہو جاتا ہے اور وہ بندہ ناشکر گزار بن جاتا ہے عموماً ناشکر گزاری ناامیدی کے بعد پیدا ہوتی ہے اِنَّ لِّیْکُمْ کَفُورًا۔ وہ انسان مایوس اور ناشکر گزار ہو جاتا ہے، اور یا جب انسان مصائب کے دام سے آزاد ہو کر عارضی خوشحالی میں گھر جاتا ہے تو اسے خدا کی سب سے بڑی عبادت بھی ناشکر گزاری نظر آتی ہے۔ قرآن مجید میں بطریق مثال بیان کیا گیا ہے کہ لوگ دریائی سفر اختیار کرتے ہیں، طوفان آتا ہے، کشتی گرد آبنائے میں پکراتی ہے۔ اضطراب کی حالت میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھ جاتا ہے، لیکن فلما آنجھو اِلَی الْبَرِّ اَغْرَضْنَاهُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ کَفُورًا پھر جب ان کو خشکی کی طرف نجات دیدی تو اعراض کرنے لگے ہو یونکہ انسان ناشکر گزار ہے۔

اجتماعی کیفیت | انسان کی آرزوں اور تمناؤں کے نتائج مختلف اسکال، حرص و طمع، جزع

بفزع، منع و بخل، کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ تنگدستی کے وقت فلاح کے لئے لیبی لیبی دعائیں سنون کا انبار، نذر و نیاز کا پستارہ۔ خیرات کی فراوانی نظر آتی ہے مگر مقصود کے حاصل ہوتے ہی اندر زرد خیال مستقبل، بچوں کا فکر اٹھیرتا ہے، اس وقت تکمیل منت تو درکنار معمولی سے معمولی ابواب صدقات بھی بند ہو جاتے ہیں۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا۔ وَاِذَا اُمْسَتْ اَشْمُجَتُهُ دُعَا۔ وَاِذَا اُمْسَتْ اَلْخَیْرُ مُنُوْعًا۔ انسان حرص میں پیدا کیا گیا ہے مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے، دست حتی ہے تو صدقات سے رک جاتا ہے۔

بخل | شاید انسان کی کمزوریوں میں اس سے زیادہ عام اور اس سے زیادہ دقیق کمزوری یا دہی ایک ہون بخل کی کتنی ہی سکلیں ہیں جو سخاوت، واسراف، کی حالت میں بھی پوشیدہ رہتی ہیں۔ صلہ رحمی، سلوک عام، شخصی احسان، قومی چندے، الغرض سب شاخیں انسان پوری کرتا ہے لیکن نفس اس خچ پر اپنی تنگی ہی ظاہر کرتا رہتا ہے۔ دل ایک قسم کے کرب اور بے چینی میں مبتلا رہتا ہے ان سب سے بالاتر فکر فردا، اسے اس بری طرح ستاتا ہے کہ وہ زروسیم کے انبار رکھتا ہوا بھی افلاس و تنگدستی کو ڈرتا رہتا ہے اور باوجود ہر قسم کی کثرت و ثروت کے خچ کرنے کے وقت مال کے ہاتھ سے بکجانے کا کم سے کم ایک ہلکا سا برج ضرور محسوس کرتا ہے۔ قُلْ لَوْ اَنَّکُمْ مِّلْکُوْنَ خَرَائِنَ دَجَمْتِدِیْ اِذَا اَلَمْ سَکِرْ خَشِیَۃَ الْاِلْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ مُجُورًا کہہ دو کہ اگر تم لوگ خزان رحمت پروردگار کے مالک بنادے جاؤ تو بھی خچ ہو جانے کے ڈر سے بخل کرو انسان بڑا ہی بخل اور کم خچ ہے۔

میکان نادانی | عالم کی بنیاد موسیقیت پر قائم ہے، موسیقیت عالم محبت کی ایک شیریں ترین مخلوق ہے، موسیقیت کی یہی خاموش ہے اور کہی گویا انسان ان دونوں حالتوں کا مجموعہ ہے وہ فطرۃ سادہ اور میاں یک ہے سادگی اسے ہر خوشنما اور دل فریب صورت کا شیفہ بنا دیتی ہے،



اور بیا کی اسے خطرات میں گھیر دیتی ہے۔ دنیا کا پھلا انسان پیچیدگیوں اور دشمنیوں کی آزاد تھا لیکن اس کی بیا کیوں نے اسے زمین پر ٹپک دیا، اور سادگی نے عقل کے جال میں پھنسا دیا جس باد کو آسمان وزمین نے نہ اٹھایا، نادان انسان نے اسے خوشی کے ساتھ اٹھایا،

فَجَلَّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ اس کو انسان نے اٹھالیا وہ نادان اور بیا کی تھا۔

بیا کی حد پر پھری رہتی ہے تو وہ کرشمہ محبت رہتی ہے اور حد سے بڑھ جاتی ہے تو ناسکری اور سرکشی بن جاتی ہے، إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝ انسان بیا کی اور ناشکر گزار ہے،

دوسری سرکشی | ایک سرکشی تو یہ ہے جس کی بنیاد نادانی و بیا کی ہے دوسری صورت سرکشی کی اس سے زیادہ سخت اور شدید ہے جو انفرادی صورتوں میں بد اعمال تعلیش اور آفات حقوق کا موجب بنتی ہے اور اجتماعی حالات میں ایک ظالم حکومت اور جابر سلطنت کے جامہ میں ظاہر ہوتی ہے، دولت انسان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے، اور تھوڑی سی رزق کی کشادگی، اسے اپنے معبود اور معبود کے قانون سے بھی الگ کر دیتی ہے،

كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَسَفِيٍّ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّا ۝ انسان اپنے آپ کو غنی دیکھ کر سرکشی پر آمادہ ہو جاتا

تین چیزیں | با این ہمہ اظہار استغناء انسانی طبیعت تمول کی خواہشمند اور دولت کی طلبگار ہے اور اس طلبگاری کے ساتھ ساتھ خدا کا ناشکر گزار اور اپنی ناشکر گزاری کا ناقابلِ صحت گواہ ہے

گواہ ہے إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّا ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَنَّا ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَنَّا ۝

انسان اپنے پروردگار کا ناشکر گزار اور خود اس پر گواہ اور مال کا سب سے زیادہ چاہنے والا ہے،

کشاکش | انسان جو اپنی خلقت کے لحاظ سے کمزور و پیدائش کے اعتبار سے نازک جسم و توانائی میں نحیف لیکن اس کی ہر آن ایک کشاکش عام کے لئے وقت ہے اسکی زندگی کا مدار ہمیشہ کا انحصار اسی تصادم پر ہے تصادم حقیق قائم ہے زندگی کسانس چلتا ہے تصادم ختم ہوگا

اور موت کی گہری نیند طاری ہو گئی لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْدِيرٍ ۝ ہم نے انسان کو ایک شقت میں ڈال کر پیدا کیا (دائم پابند شقت ہے)

جدال و نزاع | کشاکش کا لازمی نتیجہ ہے کہ انسان، مقابلہ اور مجاہدہ کے لئے تیار رہے، مقابلہ ہی ضد سے ہٹ دھرمی، اور عصیت بیا کے رد اہل پیدا ہوتے ہیں یہی باعث ہے کہ جب کبھی اس کے سامنے کوئی بھلی اور نیک بات پیش کی جائے وہ نزاع کے لئے طیار ہو گیا وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرُ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ انسان سب چیزوں سے زیادہ جدل پسند ہے،

آغاز و انجام | کمزوریوں کے ہوتے ہوئے بھی انسان کی فطرت اپنی ابتدا میں صالح اور نیک رہی گئی ہے طرح طرح کی آلائشیں، گرد و پیش کے واقعات، دنیا کی مصروفیتیں اسکی نیکی کو دباتی ہیں اور برائی کے پردہ تاریک سے ڈھانپ دیتی ہیں۔ بان و جی و الہام کی اعانت۔ ایمان اور عمل ہی ایسی چیزیں ہیں جو انسان کی یاد دہی کر سکتی ہیں، لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْدِيرٍ ۝

تشرذد و ذلالت | اَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝ ہم نے انسان کو اچھی حالت میں پیدا کیا پھر اس کو نہایت پست درجہ کی طرف لوٹا دیتے ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کیا ان کے لئے لازوال اجر ہے !!

اعلیٰ عہدہ پر فائز نہیں! جب ان دانشمندان سے سوال کیا جاتا ہے کہ مغربی ڈگریوں اور امتحانات، مغربی تعلیم و تربیت، مغربی تہذیب و شائستگی کے ساتھ یہ شغف کیس بنایا، اور کن اغراض کے حصول کے لئے ہے، تو ان کے دلائل کا ترکش تیرون سے خالی نکلتا ہے، اور ان کے اس طرز عمل کی کوئی توجیہ بجز اسکے سمجھ میں نہیں آتی، کہ موجودہ نسل سے قبل والی نسل کی آنکھیں سحر سامری کی جگہ گاہٹ سے جو خیر ہو گئی تھیں، وہی مرحومیت آج تک مسلط ہے، سانپ اگر چہ جاچکا ہے، لیکن دلوں پر وہشت اس قدر غالب ہے کہ اسکی کھیل کو بھی ہاتھ لگاتے ہوئے دل لرزتا ہے،



## الکندی اور اس کا فلسفہ

از

مولوی مصنفہ ولی الرحمن صاحب ایم۔ اے لاہور

فیلسوف العرب ابو یوسف یعقوب بن اسحق الکندی عرب الدین سے کوثر میں تولد ہوا، وہ اپنا سلسلہ نسب قدیم کندی رد سائے میں سے ملایا کرتا تھا اس کا باپ خلفاء ہمدی در شید کے زمانہ میں کوفہ کا والی تھا۔ اس کے آبا و اجداد سب کے سب کسی نہ کسی صوبے کے حاکم رہے چنانچہ اس کا داد اقبیہ کندہ پر حکمران تھا۔ اگرچہ بعد میں وہ حکومت سے دست بردار ہو کر آنحضرت صلعم کے صحابہ کے زمرہ میں شامل ہو گیا۔ اس کا پرداد ابو حارث اصغر پر حاکم تھا۔ اس کے آبا و اجداد کی حکومت ایسا مرد قحی ہے کہ جہین کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں تمام عرب مورخین اور مغربی مستشرقین اس باب میں متفق ہیں ملاحظہ ہو تاریخ الحکماء ابن القفطی ج ۱ ص ۱۹۳ مطبوعہ ۱۹۳۳ء۔ عیون الانبیا فی طبقات الاطباء۔ ابن ابی اصیبعہ مطبوعہ مصر ۱۸۸۲ء ص ۲۰۔ عربستان کی ادبی تاریخ مصنفہ مسٹر نکلسن ص ۳۶) تعجب ہے کہ ڈی بوئر ایسا عالم بجز اور فاضل متشرق اس کو مانتے ہو چکا ہے ملاحظہ ہو تاریخ فلسفہ اسلامیہ مطبوعہ لندن ۱۹۳۳ء ص ۹۷) افسوس اس امر کا ہے کہ فاضل موصوف نے اپنے اس عقیدہ کے ثبوت میں کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ لہذا دیگر مورخین کے اتفاق آراء کے ہوتے ہوئے یہ ماننا ہی پڑے گا کہ وہ واقعی اس عزت کا حقدار ہے جسکو وہ اپنی طرف منسوب کرتا ہے، اس نے اپنی تعلیم کچھ بعد ۱۰۰۰ء میں بغداد کے زبان میں بھٹا کر ڈیوڈ بنٹیل ریسچ انسٹیٹیوٹ کے رہا ہی رسالہ بابت جنوری ۱۹۱۲ء میں شائع ہو چکا ہے اس پر خزانہ اور کچھ حقائق کے یہ ناظرین معارف کیا جاتا ہے، اسے فان دایک نے بصرہ اسکا مولد قرار دیا ہے (اتفاق القنوطاۃ ص ۱۰۰) اجماعاً اگلا در تمام نسخہ نگار کوفہ ہی کا نام لیتے ہیں۔ اسے شک نہیں کہ اسکا وطن بصرہ تھا۔ اس سے نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ وہ دین پیدا ہی ہوا۔ برخلاف اسکے کوثر زیادہ قریں قیاس ہے۔ کیونکہ جیسا کہ معلوم ہوا اسکا باپ کوفہ کا والی تھا۔ لہذا فان دایک بیان میں مریکا فلان معلوم ہوتا ہے۔

مین حاصل کی مگر تکمیل اسوقت تک نہ کر سکا جب تک کہ اس نے اس وقت کی تہذیب و تمدن کے مرکز یعنی بغداد کی زیارت نہ کر لی۔ بغداد کی آب و ہوا اور وہاں کے علم و فن کا چرچا اس کو کچھ ایسا بھایا کہ بین سکونت اختیار کر لی۔ یہاں بہت جلد اس کے علم و فضل کا شہرہ ہو گیا۔ آہستہ آہستہ خلیفہ معتمد نے اس کی تعریف پہنچی۔ چنانچہ اس نے فوراً اس کو یونانی کتب کو عربی میں ترجمہ کرنے کی خدمت پر بلا لیا۔ یہاں ان یونانی تصانیف کو دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ یونانیوں کی تہذیب اور ان کے علم و فن سے اسقدر مرغوب ہوا کہ ان کی مدح سرائی شروع کر دی۔ دوسری طرف عباسیوں کے دربار کی شان و شکوہ نے اس کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ قدیم عربی تہذیب و تمدن کے مقابلے میں ایرانی تہذیب کو ترجیح دے۔

افسوس ہے کہ اس کے ادائل عمر کے حالات سے ہم بالکل واقف نہیں۔ اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ معتمد کے دربار میں کب تک رہا۔ مگر ان مختصر کوائف سے جو عرب مورخین نے اتفاقاً محفوظ رکھے ہیں ہم کو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دربار میں صرف ترجمہ ہی کا کام اس کے ذمے نہ تھا۔ بلکہ اور ترجمہ کی نظرانی اور ان کی اصلاح بھی اسی کے سپرد تھی۔ اس کے علاوہ شاہی منجم طیب اور ماگزاری کے فسر کی خدمات بھی بجالاتا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قابل رشک رتبہ پر ہمیشہ نہ رہا۔ خلیفہ متوکل کے زمانے میں علماء دین کا زور ہوا۔ اور زنادقہ اور ملاحدہ کا استیصال شروع ہوا۔ الکندی بھی چونکہ فلسفی شہور تھا اس لیے اسکو بھی اسی الزام میں مامور کیا گیا اور اس کا پیش بہا اور نادار کتب خانہ بھی سرکار ضبط ہوا۔ جو اس کی اپنی اور خلیفہ کی موت سے کچھ دنوں قبل تک واپس نہ ملا۔

افسوس ہے کہ الکندی کی تاریخ وفات سے ہم واقف نہیں، وجہ یہ ہے کہ عرب مورخین نے اس غریب کی طرف سے بہت بے اعتنائی برتی ہے۔ اور دوسری طرف شامت ہے کہ اس کی تصانیف تقریباً سب تباہ ہیں۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی موت کے وقت



وہ دربار کی طرف سے معنوب تھا۔ یا کم از کم اپنے قدیم عالی رتبہ پر شکمن نہ تھا۔ حیرت یہ ہے کہ سعودی بھی جو اس کا اس قدر مداح تھا اس باب میں بالکل خاموش ہے۔ ڈی بوئر کا خیال ہے کہ وہ شمشیر کے بعد تک زندہ تھا (صفحہ ۹۹)۔

جنوبی عرب کا قبیلہ کندہ دیگر عنصر قبائل کی نسبت تہذیب و تمدن میں بہت کچھ آگے تھا۔ اس لحاظ سے ابو یوسف کا اس قبیلہ سے ہونا کچھ تعجب خیز نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب اسکے وجود پر ناز ان سے اچھا بچہ اس کو دیگر غمی فلاسفہ سے متاثر کرنے کی غرض سے اس کو فیلسوفنا عرب کہا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ وہ درشت خواہ اور جنگجو عرب میں یگانہ عنصر تھا اس لیے وہ لوگ اس پر متناہی فخر کرتے کم تھا۔ چنانچہ بہت جلد اس کا تجربہ علمی۔ اور فلسفی تربیت ضرب المثل ہو گئی۔ اسکو خود بھی فلسفہ سے استدرشغف تھا کہ اس زمانے میں سوائے اس کے اور کوئی فلسفی کہلانے کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا۔

اس کے بہار آفرین قلم نے جس میدان میں بھی آبِ زیر کی ہو وہاں وہ وہ گل کھلائے کہ باید و نہایت وہ نہایت حیرت انگیز اور غیر معمولی دماغ کا شخص تھا، ہر مضمون کو خواہ وہ کتنا ہی سنگلاخ ہو پانی کیے کے بہا دیتا تھا، ہر موضوع پر نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کر سکتا تھا۔ ابن نمیر نے اس کی تصنیفات میں سے ۲۴۰ کے نام درج کیے ہیں۔ جن میں سے اکثر ارسطو کی تصانیف کی شرحیں ہیں۔ اس کی تصانیف کی تعداد بقید مضامین حسب ذیل ہے۔

کتاب فلسفہ	۲۲	۱۶
منطقہ	۹	۱۴
حسابیات	۱۱	۵
کرات	۸	۱۱
	۱۲	۱۶
	۹	۱۴
	۱۱	۵
	۸	۱۱

موسیقیات	۷	۱۴
نجومیات	۱۹	۸
ہندیات	۲۳	۵
فلکیات	۱۶	۲۳
طبیات	۲۲	

(الفہرست ابن ندیم جرمن ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۳۷ء)

مگر ان تصانیف کے ناموں اور ان کے موضوع پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کا دماغ اختراعی نہ تھا۔ وہ علوم متداولہ پر حاوی تھا۔ اس لیے جو کچھ اس نے لکھا وہ گویا ان کا پرتو یا نقش ثانی تھا۔ مثلاً دنیات میں وہ معتزلہ کا پیروں ہے۔ ان ہی کے زیر اثر اس نے انسان کی قدرت علل اور اس کے ظہور کے وقت پر بہت کچھ طبع آزمائی کی ہے، اس کے ساتھ ہی یہ ایک عجیب بات ہے کہ بعض عقائد و خیالات جو الکندی نے ظاہر کیے ہیں اس قسم کے ہیں کہ اس زمانہ میں ان کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اور بعض تو بالکل زمانہ حال کی تحقیقات و افکار کے موافق ہیں۔ مگر اس قسم کے نتائج اخذ کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے پاس اس کی تمام تصانیف ہوں جن کے مطالعہ سے ہم مصنف کے اصلی خیالات کا پتہ لگ سکے۔ اور بد قسمتی سے یہی بات ہم کو حاصل نہیں ہو سکتا ہے کہ موافقت لفظی اس کے خیالات کی غلط ترجمانی کرے۔ مثلاً الکندی نے ایک الگ رسالہ میں فلسفہ اور ریاضیات کے تعلق پر بڑی شد و مد کے ساتھ بحث کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ بغیر ریاضی کے فلسفہ کو سمجھنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اس کا یہ خیال زمانہ حال کی تحقیقات کے عین مطابق ہے۔ لیکن اگر الکندی کی اور تصانیف ہمارے سامنے ہوتیں تو ہم یہ معلوم کر سکتے کہ ریاضی میں اس نے کس کس چیز کو شامل کیا ہے، اور وہ تعلق جو اس نے دکھایا ہے اس تعلق سے بالکل مختلف ثابت ہوتا جو آج کل بتایا جاتا ہے۔ ”ریاضی“ کے مفہوم کا فرق



راجہ جین کے خیالات سے بالکل واضح ہو جاتا ہے یہ وہ فلسفی ہے جسے عربی فلسفہ نے بہت بڑا اثر ڈالا تھا۔ اور اس شخص نے ریاضی میں رقص، غنا، اشارات اور آدابائے موسیقی کے استعمال کو بھی شامل کیا ہے۔ یقیناً عرب فلاسفہ اور اس لیے الکندی نے بھی اس کو انہیں ممنوع میں استعمال کیا ہو گا۔ لہذا اس کے خیالات کو زمانہ حال کے خیالات کے قریب کتنا خالی از اندیشہ نہیں،

فی زمانہ اس کی تمام تصانیف ناپید ہیں۔ اس وقت اس کی قرابادین دستیاب ہوئی جس کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا ہے اور ۱۳۱۵ء میں سٹراس برگ میں شائع ہوئی ہے، بارشوی پر ایک ایک اور تصنیف لاطینی میں ترجمہ ہو کر ۱۵۶۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اور تیسری علم ہیت پر ۱۵۷۵ء میں لایپزگ میں طبع ہوئی ہے،

الکندی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ تجربی اور ذریعہ بینی کے باوجود نہایت ہی غنیمت نویس ہے۔ یہ مسئلہ مدت تک لمبی چوڑی بحثوں کا موضوع رہا۔ چنانچہ بعضوں نے اسکو بخل سے متهم کیا۔ اور بعضوں نے اس کو اسکی کم علمی پر محمول کیا۔ مگر اصلیت یہ ہے کہ یہ بخل کا نتیجہ ہے نہ کم علمی کا۔ بلکہ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ اس کی تصانیف صرف علماء و ماہرین کے لیے تھیں۔ اسوجہ سے اس نے اپنے دلائل کی توضیح و تشریح کو تصنیف اوقات سمجھا۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ علماء اور ماہرین کو اسکی ضرورت نہیں، اس خیال کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اس نے اپنی تصانیف میں طریقہ تحلیلی کو اختیار کیا اور من گڑھت منطقی اصول کی چند ان پر واہ نہیں کی،

ہم پہلے کہ آئے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی تصانیف فلسفہ میں سے کوئی بھی موجود نہیں۔ ۱۷۹۵ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۷۹۵ء میں مر گیا۔ اس میں ایک انگریز پادری تھا۔ مگر اپنی خداداد ذہانت اور لیاقت سے ریاضیات اور علم الکیمیا میں بہت کچھ نام پایا۔ چنانچہ بارود کی ایجاد اسی کی طرف منسوب کی جاتی ہے شروع شروع اس کو جادوگر سمجھا جاتا تھا۔ مگر بعد میں اس کی قدر ہونے لگی۔ اور آج کل تو گویا اسکی پیش قدمی

اس درجہ سے اس کے فلسفہ کی باقاعدہ تشریح مشکل اور بالکل غیر شافی ہوگی۔ البتہ ان پریشان اور پرانہ کوائف کی مدد سے جو ہم تک پہنچے ہیں بعض مسائل پر اس کے خیالات معلوم کر سکتے ہیں۔ حیرت ہے کہ مسلمان مورخین اور سوانح نگاروں نے بھی اسکی عزت بہت کم توجہ سے کام لیا ہے وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد میں ان کی ایسے ایسے جلیل القدر اور رفیع الشان اشخاص سے واقفیت ہوئی۔ الکندی انکے سامنے ہیج ہو گیا۔ وہ اس بات کو بھول گئے کہ الکندی ان قلیل القدر اور عربوں میں سے ہے جن کے علمی دنیا میں حیرت انگیز کارنامے ہمیشہ کنند کی طرح دیکھتے رہیں گے، ڈی بوئر یقیناً ہمارے فکر کا مستحق ہے کہ اس نے اس کے عقاید کو محفوظ کیا۔ ورنہ آئندہ نسلیں صرف الکندی کے نام یا اس کے سلسلہ نسب سے واقف ہوتیں،

الکندی نے فلسفہ کو تین قسموں میں منقسم کیا۔ ریاضی طبعی اور اخلاقی۔ قسم اول میں اس نے غرض طبعی کو بھی شامل کر لیا جیسا کہ فیثاغورثیت جدید اور اشرافیت جدید ایک دوسرے میں مدغم ہو گئیں۔ اس نے فلسفہ کی اس شاخ پر اس قدر زور دیا کہ یہ فلسفہ کا مترادف ہو گئیں۔ اس کا یہ خیال اس کے زمانے کے حالات کے عین موافق تھا۔ اس کے ہمعصر دن کا قول تھا کہ ریاضی فلسفہ کا جزو عظم ہے چنانچہ الکندی بھی اسی کا قائل ہو گیا کہ کوئی شخص اس وقت تک فلسفی ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا جب تک کہ اس ریاضی سے واقفیت نہ ہو۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے کہ آئے ہیں اس کے اس خیال کو بھی سمجھنے کے لیے احتیاط کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کے زمانہ میں ریاضی میں ان باتوں کے علاوہ جو آج کل اس میں شامل ہیں اور بہت کچھ داخل تھا، ریاضیات کو اس نے یہاں تک اہمیت دی کہ طبیات میں اپنے نظریہ ادویہ مرکبہ میں بھی اس سے گریز نہ دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ موسیقی کی طرح ان ادویہ کی تاثیر بھی نسبت ہندی پر منحصر ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ موسیقی میں آواز کا تناسب ضروری ہے اور طب میں ہر چار اوصاف محسوسہ یعنی گرمی، سردی، خشکی اور ترری کا تناسب مثلاً اگر ایک دو اول درجہ میں



گرم رکھنی منظور ہو تو اس کے مرکب کی نسبت اس میں دو گنی گرمی ہونی چاہیے۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر اوصاف بھی ظاہر ہے کہ اس امر کا فیصلہ جس ذائقہ کے سپرد کیا جائے۔ کیونکہ اس معاملے میں وہی بہترین ثالث بن سکتا ہے، ان خیالات پر غور کرنے سے صاف نظر آ جاتا ہے کہ زمانہ حال کے منہج اور محاسن کے تناسب کے نفسیاتی نظریہ کی ابتدا ایک ہزار برس قبل الکندی نے کر دی تھی۔ اور الکندی کے اس نظریہ کی وجہ سے کارڈن نے اسکو بارہ دقیقہ رس فلاسفہ میں شمار کیا ہے،

الکندی کا خیال تھا کہ دنیا کی تخلیق خدا کا کام ہے۔ مگر اس کا اثر درمیانی و کلاہ کی وساطت سے پڑتا ہے۔ جو ایک نظام میں منسلک ہیں۔ اس نظام میں اعلیٰ وجود ادنیٰ پر اثر کرتا ہے۔ مگر معلول کا علت پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بظاہر یہ عجیب ہی بات معلوم ہوتی ہے مگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو اس کی وجہ صاف نظر آ جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ علت معلول کی نسبت نظام موجودات میں زیادہ عالی رتبہ

ہے۔ اور چونکہ اعلیٰ ادنیٰ پر اثر آخر میں ہوتا ہے نہ کہ ادنیٰ اعلیٰ پر اس لیے ظاہر ہے کہ معلول جو ادنیٰ ہے علت پر جو اعلیٰ ہے کوئی اثر نہیں کر سکتا، اس کائنات میں الکندی کے خیال کے مطابق ہر جگہ قانون علیت کا دور دورہ ہے۔ اور اسی قانون کی وجہ سے ہم ماضی و حال کی بنا پر مستقبل کے متعلق پیشین گوئی کر سکتے ہیں۔ اور اس قانون کی عدم موجودگی میں ہمارے تمام علوم استقرائہ کا عدم ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ الکندی قانون استقلال قدرت کی طرف سے بھی غافل نہیں کیونکہ اگر اس قانون کو نظر انداز کر دیا جائے تو قانون علیت بالکل بیکار ہو جاتا ہے اور ہم اس کی بنا پر کسی قسم کی پیشین گوئی کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ قانون استقلال قدرت کا نشانہ

سہ جہر دم کارڈن ۱۵۴۷ء میں پیدا ہوا۔ یہ بڑا مشہور فلسفی اور ریاضی دان تھا۔ ۱۵۷۷ء میں مر گیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے خود کشی کی۔ کیونکہ اس نے پیشین گوئی کی تھی کہ وہ ۱۵۷۷ء میں مر جائیگا۔  
Law of Causation  
Law of uniformity of nature

کہ ایک خاص علت ہمیشہ ایک خاص معلول کا باعث ہوگی۔ مثلاً یہ کہ آگ ہمیشہ جلائیگی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آگ کبھی تو جلائے اور کبھی اڑا دے۔ اگر ہم اس قانون کو نہ مانیں تو نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک علت کسی معلول کا باعث ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر اس وقت آگ نے کپڑے کو جلا دیا تو یہ ضروری نہیں کہ کل بھی جلا ہی دے بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کو ہوا کی طرح اڑا دے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ پیشین گوئی بالکل ناممکن ہو جاتی ہے۔ الکندی اس قدر خام علم نہ تھا کہ وہ قانون علیت کو تو قبول کر لیتا اور قانون استقلال قدرت کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لیتا۔ برخلاف اس کے اسکو ان دونوں قوانین پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ یہ کہتا تھا کہ اگر ہم موجودات میں کسی ایک چیز سے اچھی طرح واقف ہوں تو ہم اشیاء کے سارے نظام کو سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ چیز گویا آئینہ ہوتی ہے جس میں تمام کائنات کا عکس پڑتا ہے،

نظام موجودات میں روح عالی مرتبہ ہے اور تمام فعلیت کا سرچشمہ۔ برخلاف اس کے مادہ بالکل جامد ہے۔ یہ روح کا تابع ہے اور اسی کی خواہشات کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اس میں بذاتہ کسی قسم کے فعل کی قابلیت نہیں، ان خیالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ الکندی کے خیالات میں روح و مادہ کی ثنویت پائی جاتی ہے۔ اور جیسا ہم آگے چل کر دیکھیں گے۔ وہ تا آخر دم اس عقیدہ پر ثابت قدم رہا۔ اس کے تمام خیالات اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اس کے نزدیک نفس روح الہی اور عالم مادی اور جسمانی کے مابین ہے۔ اور اسی وجہ سے اس میں دونوں کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اور دونوں سے بہت جلد متاثر ہو سکتی ہے۔ یہی نفس عالم کردی کی تلویح کا باعث ہوتی ہے۔ نفس انسانی نفس عالم سے منفصل ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ اپنے تمام افعال میں جسم سے متعلق ہے اور اپنے جوہر میں اس سے بالکل آزاد ہے۔ اس عقیدہ کی مدد سے اب ہم اس سوال کا جواب نہایت آسانی سے دے سکتے ہیں کہ اجرام سماوی ہمارے نفس پر کسی قسم کا اثر کرتے ہیں کہ نہیں۔ ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ آثار مرفطہ طبعی واقعات تک محدود ہوتے ہیں۔ اور اس لیے ظاہر ہے کہ ان پر اثر کرتے ہیں مگر



نفس چونکہ روحانی الاصل ہے اس لیے ان کے اثر سے باہر ہے، طبعی واقعات میں خواہ وہ کسی قسم کا تغیر پیدا کریں مگر نفس پر وہ بالکل اثر نہیں کر سکتے،

اب سوال یہ ہے کہ نفس کی ماہیت کیا ہے؟ نفس کی ماہیت چونکہ روحانی ہے اس لیے ظاہر ہے کہ یہ بسیط اور غیر فانی جوہر ہے۔ عالم عقل اس کا اصلی وطن ہے۔ اگرچہ یہ عالم جو اس میں نازل ہے مگر پھر بھی اپنے اصلی وطن کی طرف سے غافل نہیں۔ اس کو اپنے گذشتہ حالت مستحضر ہے یہ ہمیشہ مشتاق وطن رہتی ہے کیونکہ عالم جو اس میں اس کی اکثر خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔ ہمارا زور و مزہ کا تجربہ شاہد ہے کہ عالم جو اس میں کوئی چیز ساکن و دائم نہیں، ہر چیز تغیر پذیر ہے۔ دوام و استقلال صرف عالم عقل ہی میں پایا جاتا ہے۔ لہذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری خواہشیں پوری ہوں اور ہم اپنی مرغوب چیز سے محروم نہ رہیں تو ہمارے عقل کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ صرف یہی غیر فانی اور دائمی ہیں۔ عالم مادی گویا غفلت کا عالم ہے۔ اور اس واسطے اس کی خواہش کرنا ایک غیر موجود چیز کی خواہش کرنا ہے،

الکندی کا نظریہ علم بھی اس کی ثنویت روح و مادہ کے عین مطابق ہے، اس کا خیال ہے کہ ہمارے علم یا جو اس کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے یا عقل کے ذریعے ان دونوں ذرائع میں فرق ہے، جو اس سے ہلکائی خلی یا مادی صورت کا علم ہو جو عقل کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے یا وہ ان دونوں کے بین ہیں اور اس واسطے اس کو قوت واسطی کہا جاتا ہے۔ ان خیالات سے ظاہر ہے کہ الکندی نہ تابع تصورات ہے اور نہ قائل حسیات بلکہ اس کی جگہ ان دونوں مسکون کے بین میں ہے تحصیل علم میں وہ دونوں ذرائع پر برابر زور دیتا ہے۔ لہذا اس کے نزدیک ان دونوں ذرائع میں سے ایک کو ماننا اور دوسرے کو نظر انداز کرنا کائنات کے متعلق غلط علم کا مترادف ہے۔ کیونکہ اگر ہم عقل کو نظر انداز کر دیں تو ہمارے کلی علم نہیں ہو سکتا اور اگر جو اس کی طرف سے نکھین بند کر دیں تو ہمارے پاس جزئی کو معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔

الکندی کے اس نظریہ علم سے اس کے عقیدہ عقل کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ بعد کے فلاسفہ اسلام نے اس پر بیان تک زور دیا کہ یہ ان کے فلسفہ کی ایک نمایان خصوصیت بن گئی عیسائی قرون متوسطہ میں کلیات کی بحث نے خارجی اور علمی مذاق کو ترقی دی اسی طرح مسلمانوں کے نفس کے متعلق موشگافیوں نے تربیت عقلی کی فاعلی ضرورت کو نمایان کر دیا۔ اس بحث میں الکندی نے سرفراز کیا کہ اس مسئلہ کو معرض بحث میں لے آیا۔ اور متاخرین کی طبع آزمائی کے لیے مواد چھوڑ گیا، الکندی نے عقل کی چار قسمیں کی ہیں۔ اول وہ روح جو ہمیشہ حقیقی رہتی ہے۔ اور جو اس جہان کی ہر روحانی چیز کی علت اور جوہر ہے۔ ظاہر ہے کہ سوائے خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا، دوم وہ روح جو نفس کی قابلیت یا قوت استدلال ہے، سوم وہ روح جو نفس انسانی کی ملکیت یا اس کی عادت (۹) ہے۔ اور جس کو نفس اس طرح استعمال کر سکتا ہے جس طرح ایک مصنف اپنے فن کو اور چہارم وہ فعلیت ہے جس کی بدولت نفس کی ایک باطنی یا فاعلی حقیقت ایک خارجی حقیقت سے جا ملتی ہے۔ عقل کی اس قسم سے یقیناً الکندی کی مراد خود عقل انسانی ہے۔ کیونکہ اس کی وساطت سے وہ اپنے خیال کو حقیقت بنا سکتا ہے۔ اس کا خیال اس کے فعل ہی کے ذریعہ ظاہر ہوتا ہے، الکندی کا عقیدہ ہے کہ یہ غیر فانی روح قوت کو عادت میں منتقل کر دیتی ہے۔ یا بالفاظ دیگر محض ممکن کو حقیقی بنا کر پیش کرتی ہے۔ عقل کے اس چارگانہ نظام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اصلی روح عطیہ الہی ہے اور اسی واسطے عقل کی تیسری قسم کو عقل مستفاد کہا جاتا ہے۔ عقل مستفاد کا یہ عقیدہ فلاسفہ قدیم کے عین مطابق ہے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اشیاء کے متعلق ہمارا تمام علم ایک ایسے ماخذ سے ماخوذ ہونا چاہیے جو موجود فی الخارج ہو، قدما کا یہ عقیدہ اسی صورت میں عربی میں آیا اور یہاں عیسائی فلسفہ میں منتقل ہو گیا،

انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ تمام ارضی صفات کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اگرچہ وہ



اتنی احتیاط کرتا ہے کہ وہ صفات بہترین صفات ہوں مثلاً مسلمان علماء دینیات نے انسان کے اخلاقی افعال کو الہی فاعل کی طرف منسوب کئے ہیں۔ مگر فلاسفہ کا خیال ہے کہ علم عمل سے بہتر اور اہم ہوتا ہے۔ کیونکہ موخر الذکر کا تعلق عالم حواس سے ہے جو متغیر اور فانی ہے۔ اور خود انسان سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف علم یا عقل نظری الہی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے علم یقیناً عمل سے بہتر ہے۔

الکندی کا عقیدہ عقل اسکندر افردیسی کے عقیدہ سے بہت کچھ متاثر ہوا ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اسکندر ارسطو کا ہم خیال ہو کر عقل کو تین قسموں پر منقسم کرتا ہے اور الکندی چار پر الکندی کے اس چارگانہ نظام میں دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔ اول تو الکندی کا چار کے عدد پر اس قدر زور دینا کیونکہ یہی ایک دلیل ہے اس امر کی کہ اس نے فیتا غورثیت جدید اور اشرافیت جدید کو ایک دوسرے میں ضم کر دیا۔ اور دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الکندی نے افکار الہی کی طرح افلاطون اور ارسطو کو ہم خیال ثابت کرنے کی کوشش کی ہے،

اور اقنا قبل میں ہم نے الکندی کے فلسفہ پر کثرت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب آخر میں اس کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔ ہمارے گذشتہ بیانات سے یہ واضح ہو چکا ہو گا کہ الکندی اپنے معتقدات دینیہ میں معتزلہ کا پیرو ہے۔ اور فلسفہ میں اشرافیت جدید کا قائل۔ مگر اس اشرافیت کے ساتھ فیتا غورثیت جدید بھی شامل ہے۔ اس کا ریاضی کو اہمیت دینا صاف بتلا رہا ہے فیتا غورثیت نے بھی اس پر اثر کیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کے تمام خیالات اشرافیت جدید کے مطابق ہیں۔ وہ سقراط کی بہت قدر کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس کے سوانح عمری کے انجام اور اس کی تعلیمات پر بہت کچھ لکھا ہے،

روایت اس کو مسلمانوں میں سب سے پہلا مشائی کہا جاتا ہے اور اس کی تعلیمات و خیالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال بالکل بے بنیاد نہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے کہ آئے ہیں اس کی

تسینفات کی فہرست میں ارسطو کا نام خاص طور پر نمایاں ہے۔ پہل یہ ہے کہ چونکہ وہ یونانی کتب کا عربی میں ترجمہ کرنے میں مصروف رہا اس لیے اس کو ارسطو کے مطالعہ کرنے کا خاص موقع ملا۔ اور لہذا اگر اس نے اس سے کچھ حاصل کیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اس قسم کا آدمی نہ تھا کہ محض ترجمہ ہی پر قناعت کرتا۔ چنانچہ اس نے ارسطو کی تصانیف کے شکل حصول کی تشریح کی اور ان کی اصلاح کی جہاں کہیں اس نے دیکھا کہ مطلب واضح نہیں ہے وہیں تشریحی و توضیحی بیانات سے مطلب صاف کر دیا۔ لہذا ارسطو کا یہ بالاستیعاب مطالعہ ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ الکندی پر اس کا بہت اثر پڑا۔ الکندی کے معتقدات کہ دنیا بالقوہ اصلاح پذیر ہے نہ کہ بالفعل اور یہ کہ حرکت مسلسل ہے اور اسی قبیل کے اور بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ ارسطو نے اس پر بہت اثر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اگر ہم ان حالات و کوائف پر غور کریں جن میں اس کی علمی ترقی ظہور پذیر ہوئی اور ان اثرات کو ملحوظ رکھیں جن کے ماتحت اس نے اپنی متاہلانہ زندگی بسر کی تو ہم اس طرح بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ مشائی تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اشرافیت جدید کے اثر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

الکندی کا اثر فلسفہ متداولہ پر زیادہ تر اس کے خیالات ریاضی نجوم۔ جغرافیہ اور طب کی وراثت سے پڑا۔ اس کے شاگردوں میں سے سب سے مشہور و در فائق احمد ابن محمد الطیب السمری تھا۔ شخص غلیفہ متفہد کا دوست اور اس کا ایک عہدہ دار تھا۔ اس نے گیمیا اور نجوم کا مطالعہ کیا اور خالق کی عقل اور اس کی قدرت کا علم عجائبات مخلوقات سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہ غلیفہ کی قانون مزاجی اور لا پڑا ہی کا شرکا رہو کر ۸۵۹ء میں مر گیا، اس کا ایک اور شاگرد ابو معشر تھا۔ یہ نجوم کا ایک مشہور ماہر تھا۔ اپنی عمر کے سینتالیسویں سال تک وہ فلسفہ کا سخت مخالف رہا۔ لیکن الکندی کی تصانیف نے اس پر جادو کا اثر کیا چنانچہ وہ بھی آخر کار اسی طرف راجع ہو گیا۔ یہ ۸۵۹ء



## تاسی کے تذکرہ شعرائے اُردو

کے

### چند اوراق

از مولوی محفوظ الحق صاحب بی ۱۷۷

۲

اُردو ادب ہندی کی تھوڑی سی تعریف بیان کرنے کے بعد ہمارا فریج مستشرق کہتا ہے۔  
 ”چنانچہ یہی (ہندی دُردو) وہ لٹریچر ہے جسکی یورپ کو خبر نہیں، لیکن آج میں اُس کے  
 کترای مخفی کو آپ کے سامنے پیش کرتا اور نظم و نثر کے ان جواہر ریزہ دکن کو چن دیتا ہوں، کہ علمی دنیا  
 انکی واقعی قدر و قیمت کر سکے۔ اس غرض کی تکمیل کے لیے میں نے سیکڑوں اُردو کتابوں کی درق گردانی  
 کی اور انکا بغور مطالعہ کیا ہے، اور جتنی قلمی کتابیں مل سکیں ان سب سے مواد جمع کیا ہے۔ چنانچہ اسی  
 خیال سے میں نے تین بار انگلستان کا سفر اختیار کیا، اور عام و خاص جتنے کتب خانوں میں  
 اُردو تالیفات و تصنیفات کا پتہ مل سکا انکی سیر کی اور وہاں کے ذخیرہ کو دیکھا یہاں میں  
 اس امر کا واقعی اعتراف کرتا ہوں کہ ہر جگہ میرا استقبال بڑی گرمجوشی سے کیا گیا، اور جو اعداد  
 ممکن ہو سکتی تھی وہ بہن دی گئی۔ اُردو کتابوں کا بہترین مخزن ایسٹ انڈین آفس لائبریری ہے  
 یہاں لائڈن فنڈ کا کتب خانہ سب سے زیادہ آراستہ و پیراستہ ہے۔ ڈاکٹر لائڈن فورٹ ولیم کالج  
 میں اُردو کے متحن تھے اور اس زبان کے بہت بڑے سرپرست بھی تھے، اگر ڈاکٹر موصوف کی  
 طرح دوسرے مستشرقین بھی اُردو تالیفات و تصنیفات کا کافی سرمایہ جمع کر لیتے تو میں علمی دنیا کے  
 اُسے اُردو شعرا اور مصنفین کی اس سے بہتر اور زیادہ جامع و مکمل فہرست پیش کر سکتا۔ بہر کیف!

میں مرگیا۔ مسلم ثانی ابو نصر فارابی کا نام بھی اس کے شاگردوں کی فہرست میں لیا جاتا ہے۔  
 اگرچہ وہ اس کا باقاعدہ شاگرد نہ تھا۔ مگر اس کا اثر اتنا پڑا تھا کہ شاگرد کہنا کچھ بے جا نہیں  
 الفارابی نے اپنے پیشرو کی تعلیمات کو واضح کر دیا اور اس طرح ابن سینا کے لیے راستہ صاف  
 کر دیا۔

۱۔ اس معنیوں کے وقت حسب ذیل کتب راقم کے پیش نظر تھیں،

۱۔ اکتفاء القورع باہوا مطبوعہ۔ فان ڈاک۔

۲۔ تاریخ الحکماء ابن القفلی۔ جرمن ایڈیشن ۱۹۰۳ء

۳۔ عیون الانبانی طبقات الاطباء۔ ابن ابی اصیبعہ مطبوعہ مصر،

۴۔ الفہرست۔ ابن ندیم۔ جرمن ایڈیشن، ۱۸۷۱ء

۵۔ تاریخ فلسفہ اسلامیہ۔ ٹی جے ڈی بورر مطبوعہ لندن ۱۹۰۳ء

۶۔ تاریخ ادبیات عرب کلیمٹ ہوا۔ مطبوعہ لندن ۱۹۰۳ء

۷۔ تاریخ فلسفہ۔ لونی۔ مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء

## فقہ مدینہ

مدینہ منورہ کی فقہ و حدیث کی تاریخ و اصول جاننا ہو تو حیات مالکؒ مطالعہ کیجیے،

قیمت عمر

نمبر



جو تذکرے فراہم ہو سکے انہیں سے میں نے استفادہ حاصل کیا۔ اس جگہ میرے بعض احباب شاید  
بجھریہ اعتراض کریں کہ بعض دوسرے تذکرہ نویسوں کی طرح میں نے بھی بعض غیر معروف شعرا کے  
حالات و واقعات کو چند سطروں پر ختم کر دیا ہے، لیکن میں نے یہی مناسب سمجھا کہ گو دو چار سطرین ہی  
کیونکہ وہی لیکن انکا ذکر کر دینا ضرور ہے کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بالکل گننام رہ جائیں،  
اس موقع پر میں حروف تہجی کے اعتبار سے ان تمام تذکرہ داروں اور گلدستوں کا ذکر کر دینا چاہتا  
ہوں جو شعرا و مصنفین کے حالات پر مشتمل ہیں، اور جن میں سے اکثر ایسے ہیں جو یا تو تین دستیاب ہو سکے  
یا کم از کم تین انکا پتہ چل سکے، لیکن ان تالیفات و تصنیفات اور ان کے مؤلفین و مصنفین کے تفصیلی  
حالات کے لیے آپ کو اس کتاب کے ”سوانحی“ حصہ کو ملاحظہ کرنا ہو گا۔ وہ ہذا،

(۱) عیار الشعراء مصنفہ خوب چند ذکار۔ ذکر کرنے پر یہ تذکرہ اپنے آقا میر نصیر الدین نصیر عرف میر گن  
کی فرمائش پر ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) میں یا یوں کہنے کے ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) اور ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۸ء) کے  
درمیان تالیف کیا مولف کا خود بیان ہے کہ اس تذکرہ کی ترتیب میں اُسے تیرہ سال محنت کی۔  
ڈاکٹر اسپرنگر کو ذکا کے پوتے سے پتہ ملا کہ ذکا نے ۱۲۸۵ھ میں قصا کی،

ذکا کا تذکرہ بھی ان چند تالیفات سے ہے جن کے متعلق میرے معلومات محدود ہیں۔ یہ تذکرہ  
فارسی میں ہے، اور اکثر شعرا کے کلام کا نو نہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے پاس اسکا ایک  
قلمی نسخہ موجود ہے جو تقریباً ہزار اکیٹھ صفحوں پر ختم ہوا ہے، اور ہر صفحہ میں ۱۵ سطرین ہیں مگر موصوف  
کا بیان ہے کہ یہ تذکرہ بیجا تنقید اور اغلاط سے پاک ہے۔ واقعی یہ عجیب چیز تھی لیکن افسوس ہے کہ  
یورپ میں اسکی ایک جلد بھی موجود نہیں۔

(۲) چمن بے نظیر یا مجمع اشعار ایک ہی کتاب کے دو حصوں کا نام ہے، جو علی الترتیب  
۱۲۶۵ھ (۱۸۴۸ء) اور ۱۲۶۶ھ (۱۸۴۹ء) میں بمبئی سے چھپ کر شائع ہوئے اول الذکر کے

(۳) مجموعہ مقبول نبی جو ۲۰۰ شعرا کے ۶۰۰۰۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ افسوس ہے کہ میں اس کے  
متعلق کچھ زیادہ نہیں لکھ سکتا کیونکہ یہ بیان محض حافظہ کی بنا پر ہے۔ عرصہ ہوا کہ اسکا ایک  
قلمی نسخہ جو خاص میرا تھا احباب کے نذر ہو گیا،

(۴) دیوان جہان۔ اسکا مولف اگرچہ ہندو ہے لیکن اسنے یہ تذکرہ اردو میں لکھا ہے،  
واقعہ ہے کہ اپنی اس کتاب کی تالیف میں میں نے اس تذکرے سے بہت مدد لی ہے  
لیکن اسکا انداز تذکرہ کا نہیں بلکہ گلدستہ کا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں تقریباً ڈیڑھ سو شعرا  
کے مختصر حالات موجود ہیں مگر کلام کا نمونہ بہت زیادہ دیا گیا ہے،

(۵) گلدستہ حمیدری۔ محمد حمید بخش حمیدری نے یہ تذکرہ اپنے نام پر لکھا ہے۔ اس میں قصوں کے  
علاوہ دیوان بھی شامل ہے اور پھر اردو شعرا کا تذکرہ بھی ہے،

(۶) گلدستہ نازنینان۔ یہ کتاب میرے مشہور معاصر مولوی کریم الدین کی تالیفات سے ہے  
جس میں مشہور مصنفین اردو کے کلام کا انتخاب دیا گیا ہے،

(۷) گلدستہ نشاط از مضطر۔ میں اس کتاب سے بے حد مستفید ہوا ہوں۔ یہ علم بلاغت کی اچھی  
کتاب ہے۔ اس میں ہندوستان کے فارسی شعرا کا کام بطور مثال پیش کیا گیا ہے اور  
مختلف اصناف سخن کے تحت میں اردو شعرا کا کلام بھی واضح طور پر موجود ہے،

(۸) گلستان ہند مولفہ کریم الدین یہ کتاب دھچپ فقون اور اچھوتے محاورات و معلومات  
کا مجموعہ ہے جو آٹھ باب یعنی ”آٹھ گلشن“ پر مشتمل ہے، اور آخری باب میں بہت ہی اعلیٰ



نظموں کا انتخاب بھی دیا گیا ہے، جو یاد کرنے کے لائق ہیں،

(۹) گلستانِ مسرت۔ یہ ایک دلچسپ گلدستہ ہے جو مصطفیٰ خان دہلوی مالک "مطبع مصطفائی" کی تالیف ہے اس مطبع سے اردو مولفین و مصنفین کی بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں،

(۱۰) گلستانِ سخن از مبتلا کاظم،

(۱۱) گلستانِ سخن اول الذکر نام کا دوسرا تذکرہ ہے جو دلی کے شاہی خاندان کے شہزادہ قادر بخش صابر کی تالیف ہے،

(۱۲) گلشنِ بنجار از محمد مصطفیٰ خان شیفتہ اس تذکرہ کا ایک نسخہ مجھے ۱۳۵۶ھ میں ملا تھا، اس میں ۶۰۰ اردو شعرا کا حال اور ان کے کلام کا انتخاب موجود ہے۔ اس نئے ایڈیشن میں جو کچھ اضافہ ہوا ہے اس میں اس کتاب سے مین نے بہت مدد لی ہے،

(۱۳) گلستانِ بخیران مندرجہ بالا تذکرہ کا اردو ترجمہ ہے جسکو غلام قطب الدین باطن نے شائع کیا ہے،

(۱۴) گلشنِ ہند از مرزا علی لطف دہلوی۔ یہ تذکرہ بہت دلچسپ ہے اس میں ۶۰ اردو شعرا کے حالات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور ان کے کلام کا انتخاب بھی دیا گیا ہے یہ کتاب میرے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔

(۱۵) گلزارِ ابراہیم از علی ابراہیم، اس تذکرہ میں ۳۰۰ اردو شعرا کا ذکر مع انتخاب کلام کے ہے اس میں اس تالیف سے بچہ مستفید ہوا ہوں،

(۱۶) گلزارِ صنایع از مرزا جان طیش یہ کتاب اس مشہور مصنف کی بعض چھوٹی نظموں کا مجموعہ ہے لیکن اس میں تذکرہ کی شان پیدا ہو گئی ہے کیونکہ دیباچہ میں مصنف نے اردو شاعری پر ایک سلی نظر ڈالی ہے اور جن شعرائے اس زبان کو پر دان چڑھایا ہے ان کی زندگی کا

مختصر خاکہ بھی دیا ہے،

(۱۷) انتخابِ دواوین یا خلاصہ دواوین "مولفہ امام بخش صہبائی دہلوی۔ بیچ پوچھے تو یہ ایک اچھا خاصہ گلدستہ ہے لیکن انتخاب کلام کے ساتھ چونکہ شعرا کے حالات زندگی بھی (اردو میں) دیے گئے ہیں اس لیے اسکو تذکرہ کہنا نامناسب نہوگا،

(۱۸) معیارِ اشعار قدیم و جدید شعرا کے کلام کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے جو اگر ہستہ میں دوبارہ شائع ہوتا ہے اس کے ایڈیٹر منشی قمر الدین گلاب خان (۹) المتخلص قمر ہیں۔

(۱۹) مسرت افزا، از ابوالحسن الہ آبادی یہ تذکرہ میرے پاس موجود ہے مین منشی ناتھ بلند مرحوم کا ممنون ہوں کہ انہوں نے ازراہ کرم سرڈ بلیو اس کے قلمی نسخہ سے میرے لیے اسکو نقل کر دیا تھا، یہ نسخہ اب کسٹور ڈھین موجود ہے،

(۲۰) مجالسِ رنگین از مولفہ رنگین اس کتاب میں مولف نے کل بمعہ شعرا کے کلام پر تنقیدی نظر ڈالی ہے،

(۲۱) مجموعہ نغمہ مولفہ سید ابوالقاسم قاسم دہلوی۔ اس تذکرہ سے مین بچہ مستفید ہوا ہوں اور خصوصاً اس دوسرے ایڈیشن کی ترتیب میں مین نے اس سے بہت مدد لی ہے، عام تذکروں کے مقابلہ میں اسکی خصوصیت یہ ہے کہ قاسم نے شعرا و مصنفین کا صرف نام نہیں لکھا ہے بلکہ ان کے کلام کی تعداد بھی بہ ترتیب لکھ دی ہے۔ سرور و شیفتہ کی طرح اگرچہ یہ تذکرہ منجم نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ شعرا کے حالات و واقعات زیادہ فراہم کیے گئے ہیں اور کلام کا نمونہ بھی علیحدہ دیا گیا ہے، اور یہی وہ خوبی ہے جس سے دوسرے تذکرے عاری ہیں،

(۲۲) مجموعہ انتخاب، مولفہ فقیر شاہ محمد کمال۔ اس نئے ایڈیشن کی ترتیب میں مین اس تذکرہ سے ۵۸ شعرا کا حال ملا جو بہت دلچسپ ہے، افسوس ہے کہ اس کا قلمی نسخہ جو میرے پاس موجود ہے



خوشنما اور تعلیق ہونیکے باوجود اعلاط سے پر ہے اسی وجہ سے یہیں شعرا کے کلام بکھنے میں سخت دقت ہوئی۔

(۲۳) مجموعہ واسوخت، مختلف شعرا کے ہیں واسوخت کا یہ دیکھ پ مجموعہ ۶۸ صفحات پر ختم ہوا ہے یہ گلدستہ ۱۲۸۹ء (۱۸۷۹ء) میں بمقام لکھنؤ طبع ہوا اصل مضمون حاشیہ پر درج ہے۔

(۲۴) محزان نکات یا نکات الشعرا مولفہ قیام الدین قائم یہ تذکرہ تین حصوں (طبقات) میں منقسم ہے طبقات الشعرا نامی ایک دوسرا تذکرہ بھی اسی طرز پر لکھا گیا ہے، جس کا مفصل حال آئندہ صفحات میں آئیگا۔

(۲۵) مختصر احوال مصنفین ہندی دُردی کے تذکرہ نگار اسکا دوسرا نام ”رسالہ در باب تذکرہ بآ“ ہے یہ ذکا، اللہ دہلوی کی تالیف، اور میری کتاب ”ہندوستانی مصنفین“ کا ترجمہ ہے،

(۲۶) نکات الشعراء مولفہ میر تقی میر اردو شعرا کا یہ قدیم ترین تذکرہ ادراخاٹھار دین صدی کے بہترین شاعر کی تالیفات سے ہے، اسکا مکمل اور تفصیلی حال میں سوانحی حصہ میں بتاؤں گا اور وہیں انکے کلام کا انتخاب بھی پیشکش کروں گا،

(۲۷) روضۃ الشعراء مولفہ محمد حسین کلیم اس میں اردو شعرا کا حال نظم میں لکھا گیا ہے، اسطرح اسکو بھی تذکرہ کا لقب دیا جاسکتا ہے،

(۲۸) سراپا سخن مصنفہ محسن لکھنوی اس میں ۷۰ منتخب اردو شعرا کا کلام مختلف موضوعات کے زیر تحت جمع کیا گیا ہے، صرف ہی نہیں بلکہ ان شعرا کے حالات زندگی پر روشنی بھی ڈالی گئی ہے اس ایڈیشن کی ترتیب میں میں اس کتاب سے بھی مستفید ہوا۔

(۲۹) سر و آزاد تذکرہ مسرت افزا میں ابوالحسن نے اس تذکرہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ اردو شعرا کا تذکرہ ہے لیکن مسرت افزا میں بلینڈ نے اسے فارسی شعرا کا

تذکرہ لکھا ہے، دونوں بیانات درست ہو سکتے ہیں، اور انکی توجیہ اس طرح کیجا سکتی ہے کہ اس میں ان تمام ہندوستانی شعرا کا حال ہے، جنہوں نے اردو و فارسی دونوں میں طبع آزمائی کی ہے اور اس بیان کی تقویت اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ آزاد خود اردو کے سرمایہ ناز شاعر ہو گزشتے ہیں۔ اس موقع پر میں یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آزاد نے فارسی شعرا کا ایک علیحدہ تذکرہ بھی لکھا ہے جس کا نام ”خزانہ عامرہ“ ہے

(۳۰) مصحف ابراہیم اس تذکرے کے مولف غلیل نے اسکو اپنے نام پر مرتب کیا ہے اس مولف کا پورا حال ”سوانحی“ حصہ میں ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کروں گا،

(۳۱) طبقات الشعراء مولفہ قدرت اللہ شوق یہ تذکرہ ”تذکرہ ہندی“ کے نام سے بھی مشہور ہے،

(۳۲) طبقات الشعراء مولفہ کریم الدین یہ تذکرہ مشائخ عربین بمقام دلی چھپا، اس میں لکھا ہے کہ میری کتاب تاریخ ہندی و ہندوستانی لٹریچر کا ترجمہ ہے، لیکن حق تو یہ ہے کہ یہ اس سے علیحدہ اور مستقل کتاب ہے مسٹر ایف فلن انپیکر تعلیمات عامہ ہار نے میری کتاب کا مواد اس فاضل مصنف کو دیا تھا اور اسی پر اُس نے یہ عمارت کھڑی کی،

(۳۳) طبقات الشعراء مولفہ غلام محی الدین عشق میر بھٹی۔ افسوس ہے کہ یہ تذکرہ دستیاب نہ ہو سکا اس میں تقریباً تئیسویں شاعر کا حال درج ہے،

(۳۴) تذکرہ اختر، مولفہ واجد علی شاہ اختر، کہا جاتا ہے کہ اس تذکرہ میں ۵۰۰۰ فارسی و اردو شعرا کا حال موجود ہے۔ آخری شاہ اودھ اسکا مولف ہے، افسوس ہے کہ اس بادشاہ کی اوّل تصنیفات تو میرے کتب خانہ میں ہیں لیکن یہ تذکرہ موجود نہیں،

۱۰. معارف بہیمان ہائے مشرق سے تو برتو جو غلطیان ہوئی ہیں، وہ ظاہر ہیں، آزاد بلگرامی نہ تو اردو کے شاعر تھے اور نہ سر و آزاد اردو شعرا کا تذکرہ ہے، اور نہ صرف ہندوستانی شعرا کے فارسی کا وہ تذکرہ ہے۔



(۳۵) تذکرہ عاشق مرتبہ مہدی علی عاشق دہلوی۔

(۳۶) تذکرہ آزرودہ، مولفہ صدر الدین آزرودہ۔ شیفہ نے اس تذکرہ کا خاص طور پر حوالہ دیا ہے۔

(۳۷) تذکرہ گردیزی از فتح علی حسینی گردیزی۔ اس تذکرہ سے میں نے بہت مدد لی ہے،

(۳۸) تذکرہ حسن ثنوی "سحرالبیان" کے مشہور مصنف نے یہ تذکرہ لکھا ہے سرور نے بھی اس کا حوالہ

دیا ہے لیکن میرے معلومات اسکے متعلق بالکل محدود ہیں،

(۳۹) تذکرہ امام بخش کشمیری۔ مصحفی کا بیان ہے کہ اس تذکرہ نویس نے اس کے تذکرہ سے

بہت سرفراہ کیا ہے،

(۴۰) تذکرہ عشق از رحمت اللہ عشقی مسٹر جے بی ایٹ نے جن کے پاس اردو کتب کا کافی ذخیرہ

ہے یہ تذکرہ ڈاکٹر اسپرنگر کو دیا تھا اور اس طرح "فہرست کتب خانہ شاہ اودھ" (مرتبہ اسپرنگر)

کے وسیلے سے میں بھی اس تالیف سے مستفید ہوا۔

(۴۱) تذکرہ جہاندار از جوان بخت جہاندار اول الذکر تذکرہ کی یہ نقل ہے،

(۴۲) تذکرہ خاکسار از محمد یار خاکسار شورش نے اس تذکرہ کا حوالہ دیا ہے،

(۴۳) تذکرہ محمود از حافظ محمود میر، معاصر ہے،

(۴۴) تذکرہ مصحفی از غلام محمدانی مصحفی۔ اس تذکرہ میں ۱۵۰ اردو شعرا کا حال درج ہے

میں اس تالیف سے بچہ مستفید ہوا۔

(۴۵) تذکرہ مضمون از امام الدین مضمون۔

(۴۶) تذکرہ نصیر از سعادت خان نصیر لکھنوی،

(۴۷) تذکرہ سودا از رفیع الدین سودا۔ افسوس ہے کہ اٹھارہ دین صدی کے اس نامور شاعر

کے تذکرہ سے مجھے مستفید ہونیکا موقع نہ ملا۔

(۴۸) تذکرہ شوق۔ از حسن شوق

(۴۹) تذکرہ شورش از غلام حسین شورش، یہ تذکرہ عشقی سے بہت قریب تھا ہے،

(۵۰) تذکرہ ترندی از محمد علی ترندی، گلزار ابراہیم میں اس کا حوالہ موجود ہے،

(۵۱) تذکرہ ذوق از محمد ابراہیم ذوق یہ مشہور شاعر ہو گیا ہے،

(۵۲) تذکرہ الکاملین۔ از بابور ام چند،

(۵۳) تذکرہ النصار از کریم الدین،

(۵۴) عمدۃ المنتجبہ از محمد خان سرور ۱۲۰۰۔ اردو شعرا کا یہ دلچسپ تذکرہ اپنے رنگ میں بے نظیر

اور واقعی عجیب ہے میں اس نادرا انتخاب سے بچہ مستفید ہوا،

ان تذکروں اور گلدستوں کے علاوہ میں نے مختلف کتب خانوں کی فہرستوں سے بھی بچہ

فائدہ اٹھایا ہے، چنانچہ اسی سلسلہ میں میں ان لا جواب اردو ادبی فارسی کتابوں کی "فہرست"

کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو لکھنؤ کے ایک بزرگ مولوی آل بی کے کتب خانہ میں موجود ہے

اس قلمی فہرست کی نقل اللہ (مطابق سلسلہ ۶) میں ہوئی۔ اسی طرح ایشیاٹک سوسائٹی کی

دو فہرستوں سے جو عربی اور دیوناگری رسم الخط میں ہیں میں نے بہت مدد لی، اور سوانحی حصہ کے لیے

میں نے ایک انگلش میں کی ڈونا در کتابوں سے بے حد فائدہ اٹھایا ہے جن میں سے ایک تو ہندوؤں کی

مقبول نظروں کا مجموعہ ہے اور کر نل براؤن (مرحوم) کی تالیفات سے ہے، اور دوسری ایک ممتاز

ہندی مولف تاریخی چرن ستر کی رفاقت میں لکھی گئی ہے۔ اس شخص کی تالیفات بہت ہیں لیکن

اسکی یہ تالیف میرے لیے بے حد مفید ثابت ہوئی۔ اس کتاب میں اور باتوں کے علاوہ بھکٹاؤں

کبر کے ریختہ، ٹکسی داس کی سامان، ہتو پدیش کے اردو ترجمہ اور جو ان کی سکنتا کے انتخابات

واقعات موجود ہیں، مختصر یہ کہ اس میں ۳۴۸ چھوٹی بڑی نظمیں موجود ہیں۔ اور اکثر عوام میں



مشہور بھی ہیں،

یہ امر قابل افسوس ہے کہ وہ تمام تذکرے جن کی فہرست اوپر گذر چکی بالکل نامکمل ہیں اور عموماً انہیں صرف شاعر کا نام، اور اس کے کلام کا انتخاب پایا جاتا ہے، لیکن بعض موقعوں پر جہاں حالات و واقعات کو ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، وہاں بھی شاعر کی پراپرٹ زندگی، یا سال ولادت و وفات کے متعلق ایک حرف بھی مشکل نظر آتا ہے۔ اور نہ تو اس کے القاب کے متعلق کچھ لکھا ہوتا ہے، اور نہ اس کی تالیفات و تصنیفات کا کچھ ذکر نظر آتا ہے، اور اکثر تو اس کے صاحب دیوان ہونے کا ذکر بھی نہیں ہوتا۔ اس آخری فرد گذشت کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اگلے دو چار تذکرہ نویس چونکہ صاحب دیوان تھے اور یہ امر ان کے لیے مایہ ناز تھا اس لیے وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی دوسرے شاعر کو بھی صاحب دیوان لکھ کر اس کا نام ادب چاکرین۔ حق تو یہ ہے کہ ان تذکروں میں اگر کوئی کام کی چیز ہے تو وہ شعرا کے کلام کا انتخاب ہے، جو ایک مدت تک یورپ میں مفقود ہے۔ اگلے تذکرہ نویسوں میں صرف میر تقی میر ایسے ہیں جنہوں نے شعرا کے کلام پر تنقید کی ہے اور سب سے کوشش کر کے شعرا کو آسمان پر پہنچا دیا ہے، انہوں نے اکثر غلطیوں کی اصلاح بھی کی ہے اور بعض موقعوں پر شاعر کے عوض، اپنے مخصوص مخدرات و مصطلحات بھی پیش کیے ہیں۔ اگرچہ پچھ تو میں تو یہی کہوں گا کہ اردو کا یہ تذکرہ سب سے قدیم ہے،

ہمیں جتنے تذکرے ملے ہیں وہ سب کے سب حروف تہجی یا یون کئے کہ تخلص کے اعتبار سے مرتب کئے گئے ہیں، اس لیے ہمیں بھی اسی سمت پر عمل کرنا پڑا۔ گو میرا ارادہ تھا کہ میں اپنے مضمون کو تاریخی طور پر ترتیب دوں، لیکن وقت یہ ہوئی کہ میرے پاس کافی مواد موجود نہ تھا۔ اس امر کا ہمیں ضرور اعتراض ہے کہ ایسی ترتیب زیادہ موزوں اور کتاب کے سزنامہ کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہوتی لیکن مجبور یوں کا کیا علاج۔ گذشتہ صفحات میں میں نے اس امر کو اچھی طرح واضح کر دیا

کہ پرانے تذکروں میں گو یہ ضرور ہے کہ شاعر کے کلام کا کافی انتخاب دیدیا گیا ہے، لیکن انہیں ان کے دور یا ان کے عہد کو بہت کم بتایا گیا ہے۔ اس لیے محض کلام کے انتخاب سے کسی شاعر کے دور کا پتہ چلانا ذرا مشکل ہے۔ اس کے علاوہ دوسری دقت یہ ہے کہ ان تذکرہ نویسوں نے کلام نقل کرتے وقت، پرانے اشعار کو بالکل نئے رنگ میں رنگ دیا ہے، اس وجہ سے بھی شاعر کے عہد کے تعین میں دقت ہوتی ہے۔ ہندی مصنفین کے متعلق بھی یہی مصیبت ہے اور اکثر کا عہد تک نہیں بتایا گیا، اگر میں اپنی کتاب کو مختلف طبقات میں تقسیم کروں تو مجھے چند طبقات لکھنے پڑیں گے یعنی طبقہ اول میں ہیں ادن تمام شعرا کا حال لکھنا ہوگا جن کا عہد ہمیں معلوم ہے۔ طبقہ دوم میں ادن تمام شعرا کا ذکر کرنا ہوگا جن کے عہد کے متعلق ہمیں پورا یقین نہیں۔ اور طبقہ سوم میں ادن شعرا و مصنفین کو بتانا ہوگا جن کے عہد کا حال ہمیں معلوم نہ ہو سکا۔ نیز اسی طبقہ میں ادن تمام کتابوں کو بھی درج کر دینا ہوگا جن کا نفس مضمون میں کوئی ذکر نہ کر سکا۔ غرض اس طرح ہمیں بہت دقت کا سامنا ہوتا، اس لیے میں نے مندرجہ بالا طریقہ اختیار کیا جس سے ہمارا کام مختصر ہو گیا اور ناظرین کے لیے بھی سہولت ہوئی،

کتب مصنفہ و مولفہ مولانا حسرت موہانی بی، اے۔ ایڈیٹر اردو ملی و تذکرۃ الشعراء دیوان حسرت کل شکر دیوان حسرت موہانی حصہ اول۔ دوم سوم۔ چارم جسکا پانچواں ایڈیشن اسی ماہ میں چھپ کر تیار ہوا قیمت فی جلد ۸ روپے دیوان غالب کی پیشہ واد قابل دید شرح جسکا پانچواں ایڈیشن حال ہی میں چھپ کر تیار ہوا ہے مع مقدمہ شرح حسرت موہانی مشتمل بر حالات غالب و تنقید کلام غالب قیمت فی جلد ۸ روپے حالات حسرت یعنی سوانح عمری مولانا حسرت موہانی مع تصویر حسرت مرتبہ مولانا عارف نسوی قابل دید قیمت فی جلد ۸ روپے دیوان حسرت یعنی حسرت موہانی کے دیوان حصہ اول۔ دوم سوم۔ چارم کا بمثل انتخاب بہار و دغزل کے بلند کا انگریزی ترجمہ بھی لکھا ہے نیز انگریزی مقدمہ کی چیز ترجمہ جو دھری رحم علی اسی بی اے سابق ایڈیٹر انڈین میڈیکل سوسائٹی علی انگریزی مع تصویر حسرت و توضیح فیہ غائب و ادین حصہ پنجم یعنی مجموعہ انتخاب دیوان ادلی و کشتی شاہ مبارک پور، قاضی محمد صادق خان خیر، میر شاد خان انشا، کمر قادر بخش مبارک پور، خواجہ میر درد علیہ الرحمہ، میرمنون سونی، تاجی لکھنؤ، شاعر ذکی مراد آبادی، ڈاکٹر علیشاہ خاں شاد آبادی، مولوی سید علی حسین نظام آبادی، شاکر علی شاکر علی، صاحب غالب، مولوی سید اکبر، داماد شفیق آبادی، ذابہ صاحبہ، شاکر علی، طاهر فرخ آبادی، مولوی سید علی، مولانا عظیم آبادی، مرتبہ حسرت موہانی، قیمت فی جلد ۸ روپے، آغا جگر، قاضی، قاضی، علاوہ مختصر لکچر اکمل شاہ، سیکم حسرت موہانی۔ حسرت روڈ کا پتہ پور



## ثانی نیکیتان

کے

## چشم دید حالات

(۳)

از مولوی ابوالنصر سید احمد صاحب بھوپالی

### دوسرے دن کی گفتگو

بم اچھا بابو صاحب کل جو آپ نے ٹیگور کے وجوہ اختلاف ہمیں بتائے تھے اُن پر پہنے پوری طرح غور کیا اور غور کرنے کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں اُسکو جناب کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ٹیگور کا فلسفہ منطقی مشکلات سے خالی نہیں معلوم ہوتا مثلاً وہ ہمیں اپنی اصطلاحات روح، تخلیق، جدوجہد، صداقت، خوشی، اور آزادی کی صحیح تعریف نہیں بتلاتے اور نہ اُنکے تخیل کا علاوہ ظاہر کرتے ہیں ایسے ہیں شبہ ہوتا ہے کہ آیا وہ ہمارا گاندھی کی طرح دماغ سے علیحدہ روح کے قائل ہیں یا نہیں۔ ہمارے تو یہ کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ تمام دماغی ترقی اور تمدن کا جو گہرا دل (نیک) ہونا چاہیے یعنی روحانی ترقی کے لیے راہنما ہو سکتا ہے کہ ایک وحشی انسان ایک تمدن انسان سے زیادہ نیک روح رکھتا ہو۔ اس لیے اس دوسرے خیال کو پیش نظر رکھ کر یہ امر واضح نہیں ہوتا کہ تخلیقی جدوجہد سے کیوں صرف غیر جنگ آور اور سکون دان کا کام

مراد لیا جاتا ہے؟

علاوہ ازیں ٹیگور کا آزادی کا اصول بے انتہا بے ضابطگی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ ہمارے اپنی ذات پر کامل اعتماد کرنے کا خیال ایک دہمی علیحدگی پر دلالت کرتا ہے جو دہمی عقیدہ کی ایک دہری قسم ہے جسے وہ 'مایہ' کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ تھوڑی سی صداقت کی حد سے تجاوز تو سب سے اس لیے کہ ہمارے دماغ کی چالو سی کونفا کر زینا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ کیونکہ آپ شخص واحد کو تو قدرت سے علیحدہ کر سکتے ہیں اور نہ سوسائٹی و جذبات سے۔ اور نہ عقل جذبات کو پوری طرح مطیع کر سکتی ہے۔ ٹیگور نے اس معاملہ میں ضرورت سے زیادہ معقولیت پسندی اختیار کی ہے۔ ایسے یہ معلوم کرنا ہمارے لیے نہایت دلچسپ ہو گا کہ وہ ولیم جیمس، وارڈ، ایوکن، ابرجن اور میکڈائل کے غیر معقول فلسفہ کے جواب میں کیا کہتے ہیں۔ سوسائٹی اور سلطنت سے کنارہ کشی دراصل روحانیت کو ترقی نہیں دے سکتی۔ افلاطون، گرین، اور بو سا کو ریٹ نے اپنے خیالی اسکول میں بحث کرتے ہوئے افراد کے لیے معرفت نفس کو صرف سلطنت ہی کے ذریعہ سے ممکن قرار دیا ہے۔ کمال ٹیگور کی رائے کے مطابق ایک غیر مشترک داخلیت ہے اور اگرچہ وہ دنیا کو ترک کر نیوالی عزت کے خلاف ہیں لیکن اُنکا کمال فرد بھی ایک گوشہ نشین سے زیادہ نہیں۔ اس بنا پر اُنکا بین الاقوامی تخیل بالکل نامستحکم ہے کیونکہ اُنکے نزدیک ہر قوم کے لیے یہ غیر روحانی ہے کہ وہ کوئی شے کسی دوسرے سے لے

(۱) ٹیگور کا عقیدہ تخلیقات کی خارجی قیمت کے خیال کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ وہ کام کرنے کے طریقہ کی تلقین کرتے ہیں مگر زندگی کے مقاصد کی تعریف کیے بغیر اگر آپ کسی امر کو چاہتے ہیں فرض کیجیے سواراج کو تو ٹیگور کہتے ہیں کہ اُس کی تخلیق اپنی ذات کے لیے کیجیے اس لیے کہ آپ یہ جانتے ہیں کہ روحانی آزادی تخلیقی جدوجہد میں ہے۔ اس کے یہ معنی کہ یہ ساری کاروائی

Exclusiveness Subjectivism

۱۰



اپنی ذات کا لاڈ اور پیار ہی ہے۔ تخلیق صرف ذاتی و داخلی قیمت رکھتی ہے نہ کہ خارجی۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ کہنا کہ آپ بھلائی کی بھی تخلیق کر سکتے ہیں اور برائی کی بھی، دھرم کی بھی اور ادھرم کی بھی، دونوں آپ کے لیے برابر کی داخلی قیمت رکھتے ہیں۔ تو یہ ایک خطرناک تجویز ہے اور اس قسم کا کھیل بھلائی اور برائی کے ساتھ مذاہب کی جانب صرف خدا کو ہی تفویض ہے افراد و قوم کو نہیں،

باب ۱۰ حقیقت میں ٹیگور غیر مشترک داخلیت کو نہیں چاہتے بلکہ اس امر کی تلقین کرتے ہیں کہ افراد اور قوم دونوں کو انسانیت کی بھلائی کے لیے کام کرنا چاہیے اور انکی تخلیقات خارجاً دنیا کے لیے کارآمد ہونا چاہیے۔

ہم د یہ ٹھیک ہے لیکن ہمارا بحث تو یہ ہے کہ یہ آخری خیال عقلاً تخلیق ذات کے اصول سے برآمد نہیں ہوتا اور ایسا کرنے میں ٹیگور غمنما اپنے فلسفہ کی محدودیت کو تسلیم کرتے ہیں اور نیز اپنے دماغی خیالات اور دلی خواہشات کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی ناکامی کو بھی۔

لیکن اگر آپ اپنی تخلیقات کو خارجاً بھی کارآمد بنالین تو بھی وہ بسا اوقات آپ کے باطن کے لیے مضر ہو سکتی ہیں اور یہ اُس وقت جبکہ آپ زندگی کے خاص خاص مقاصد کا انتخاب نہ کریں۔ گو آپ کی تخلیقات دوسروں کے لیے کارآمد ہو سکتی ہیں لیکن وہ آپ کی روح کو غلامی کی ایک نئی زنجیر میں جکڑ سکتی ہیں۔ گاندھی کا خیال ہے کہ تمدن اسی قسم کی غلام بنائی والی انسانی تخلیق ہے بہت سے مذاہب کی بھی یہی رے ہے۔ اس طرح سے یہ بات اب صاف ہے کہ روحانی زندگی تخلیقی کارروائی سے پوری طرح نہیں ظاہر ہو سکتی بلکہ وہ اس سے اور زیادہ وسیع ہے اور دوسرے ستونوں پر بھی ٹھہری ہوئی ہے زندگی کے صحیح مقاصد کا دریافت کرنا بھی روحانی ترقی کے لیے اس قدر ضروری ہے جقدر کہ ان

مقاصد کی از خود تخلیق اور یہ بات ٹیگور کے عقیدہ پر ایک دوسری تحدید عائد کرتی ہے یعنی آپ خود زندگی کے ہر مقصد کی تخلیق جسکو آپ چاہیں نہیں کر سکتے۔ آپ سواراج کی تخلیق بلا سکی یہی سے تعلق رکھ کر سکتے ہیں لیکن آپ پنجاب اور خلافت کی بے انصافیوں کی تخلیق کیے کر سکتے ہیں؟ اس میں آپ کو بدلیوں سے تعلق رکھنا ہو گا اور آپ کو اپنی خواہش کے حاصل کرنے کی واسطے جنگ کرنا پڑے گی اس لیے یہ کارروائی غیر روحانی نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ تخلیقی نہ ہو،

یہ ٹیگور کے عقیدے کا ایک مضر نقص ہے اس لیے کہ وہ ظاہری خارجی جنگ کے نام خیال کو نظر انداز کر دیتا ہے لیکن یہ کبھی ممکن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ اُسکی ذاتی پیچیدگیوں پر بھی یعنی آپ تمام اعتماد کو بلا اس جنگ کے ترک نہیں کر سکتے،

باب ۱۰ بان ٹیگور کا کہنا تو یہی ہے کہ اگر آپ ہندوستان کے لیے سواراج چاہتے ہیں تو کسی قسم کی توجہ بھی برطانیہ حکومت کی جانب صرف نہ کیجئے بلکہ خاموشی کے ساتھ اپنے آپ کو اُسکی تنظیم کے لیے ملک میں مشغول کر دیجیے۔ اسی کے نہ کرنے کی وجہ سے وہ اعتدال پسندوں کو اور قوم پرستوں کو قابل لزوم ولامت ٹھہراتے ہیں جسکا جواب اعتدال پسند تو یہ دیتے ہیں کہ اُنکی رائے میں آپ سواراج کی تعمیر اس برطانیہ حکومت کے ذریعہ ہی سے کر سکتے ہیں اور قوم پرست یہ کہتے ہیں کہ آپ جمہوریت کی تخلیق ملک میں کر نہیں سکتے جب تک کہ بدیسی حکومت فنا نہ ہو جائے محض اسوجہ سے کہ بدیسی آقا کبھی ہمارے تخلیقی راہ عمل میں ہو گا امن و سکون سے قدم بڑھانے نہ دے گا۔ لیکن ٹیگور یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ملک کو بدیسی سے فتح نہیں کرنا چاہیے بلکہ خود اپنی کاہلی اور غفلت سے، یہ ٹھیک ہے لیکن کیا ہم بلا شرکت غیر ان برائیوں کے ذمہ دار ہیں؟ آپ ذرہ ہمیں نامرد کر دینے والی اور ہماری قومیت کو مٹا دینے والی حکمت عملیوں اور چالوں کو تو ملاحظہ فرمائیے ہم تو ان برائیوں کو جب ہی دور کر سکتے ہیں جبکہ ہم پہلے بدیسی کو دور کر دیں۔ قوم پرست



یہ جانتے ہیں کہ سیاہی سواراج کامل سواراج نہیں ہے لیکن وہ اسکا یقین رکھتے ہیں کہ یہ  
آخر الذکر کے حصول کا آسان ترین ذریعہ ضرور ہے ٹیگور قوم پرستوں کی طرح جنگ کرنے  
انکار کرتے ہیں مگر اپنے محاذ را آتھارتی کو تعمیر قوم کا ایک پیچیدہ طریقہ بتلا کے دھوکا دیتے ہیں  
صرف تاخیر ہی اس طریقہ کا نقص نہیں ہے۔ اس میں کامیابی ہو سکتی ہے لیکن جب کہ آپکو اسکا  
یقین ہو کہ جسوقت آپکی تخلیق قوم کے لیے جاری ہو اس طرح سے کہ وہ بدیسی کی تباہی کی جانب  
راہ نمائی کرتی ہو تو بدیسی آپکو دق نہ کرے۔ اگر وہ آپکو دق کرتا ہے تو جب تک کہ آپ بدیسی جنگ  
کے لیے تیار نہ ہوں جو صرف باطنی روح کے میدان میں داخل نہیں ہے آپ ہلاک ہو جائیں گے  
پھر تخلیق ملک میں اختلاف آراء کے جھگڑے ناگزیر ہیں جن کے لیے آپکو جماعتی جنگ کرنی ہوگی  
پس از خود تخلیق کا طریقہ ایسا نہیں ہے جو ہمارے ایسے حالات میں ہدایت کی جانب راہنمائی کر سکے  
آپکو تخلیق کے لیے بھی لڑنا ہوگا اور اپنی تخلیقات کو ناپاکی اور تباہی سے بچانے کے  
لیے بھی۔ آپ صرف تخلیق پر ہی نہیں ٹھہر سکتے اگر آپ کو اسکی خارجی فائدہ مندی کی جانب  
بھی توجہ ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ٹیگور نے اس امر کو معلوم نہیں کیا کہ روح اپنے آپ کو  
صرف تخلیقی کارروائی میں ہی نہیں ظاہر کرتی ہے بلکہ دوسری کارروائیوں میں بھی مثلاً  
برائیوں کے ساتھ برسر پیکار ہونے میں یہ ہو سکتا ہے کہ تخلیق ایسی جنگوں سے افضل ہو لیکن  
آخر الذکر نہ تو دور کیجا سکتی ہے اور نہ اسے غیر روحانی کے نام سے بدنام کیا جاسکتا ہے جبکہ  
کہ دنیا میں بدی باقی ہے ضرور ہے کہ نیک عمل سے مزاحم ہو اور اسکو پیدا کرے۔ آپ باطل  
کے ساتھ اپنی جنگ کو محض اپنی ذات واحد کو محفوظ رکھنے تک محدود نہیں کر سکتے یعنی عام  
نقطہ نظر سے آپکو باطل کے خلاف اسکی ہلاکت کے لیے جارحانہ جنگ کرنا ہوگی۔ نیکی و حق کی  
طاقت ہمیشہ اس پسند اور مثبت ہوتی ہے۔ وہ کبھی باطل سے برسر پیکار نہیں ہوتی جب تک کہ

مغلوب کر دینے والی ضرورت سے مجبور نہ کیجائے۔ ہمارا تا کا یہی مسلک ہے وہ تمام پیچیدہ  
چابوں کو ناپسند کرتے ہیں اور تمام جنگ کو خود انجام دینے لگتے ہیں وہ اپنی جنگ شروع کرنے  
میں اسوقت تک کا انتظار نہیں کرتے جسوقت تک کہ دنیا میں نیکی کی تمام طاقتیں کام کیلئے  
ذبح ہو جائیں وہ نیکی کا مرکز اپنے سے باہر نہیں قائم کرتے بلکہ خود اپنے آپ کو نیکی کی ایک  
طاقت بناتے ہیں اور پھر بلا اسکی پرداہ کے کہ خارجی نتائج اُنکے لیے کیا ہونگے باطل پر  
حملہ شروع کر دیتے ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ نیکی اور بدی کا وجود صرف عمل میں ہے انسانوں  
میں نہیں۔ گاندھی بدی سے اپنے آپکو اور دوسروں کو بھی بچانا نہیں چاہتے بلکہ بدی کو ناپسند  
اصل یہ ہے کہ ٹیگور کے فلسفہ میں دو سخت اختلاف آکر جمع ہو گئے ہیں: (۱) اول  
تو غیر مشترک داخلیت اور مثبت شخصیت جسکو اُنکے دماغ نے ظاہر کیا ہے اور (۲) دوسرے  
خدمت انسانیت جو اُنکے دل کی خواہش ہے۔ پس وہ اپنے دماغ اور دل کے درمیان موافقت  
پیدا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ہر ایسی کوشش جو دنیا داری اور روحانیت کے درمیان کی  
خلج کو پاٹنے کے لیے کی گئی ہے غیر اطمینان بخش ثابت ہوئی ہے، کیونکہ وہ مندرجہ بالا مغالطہ سے  
محفوظ رہنے میں ناکام رہی ہے۔ بعض مذاہب نے منطقی سادگی کے ساتھ دشواری سے بچنے  
کے لیے دوسرے خیال کو بالکل رد کر دیا ہے۔ اور موجودہ مغربی دنیا داری نے اپنی باری  
میں شخص کی سوسائٹی اور ضمیر کے بے رحم دباؤ کو جاری رکھ کر اول خیال کے اعتراف سے  
انکار کر دیا ہے، ٹیگور ان دونوں کے درمیان کوئی معقول ہم آہنگی نہیں بتلاتے۔ ایک طریقہ  
اس خلج کو پاٹنے کا یہ ہے کہ روحانیت کو اسقدر وسعت دیجائے کہ اس میں خارجیت بھی  
داخل ہو جائے۔ آپکو صرف اپنے ہی آپکو تمام غلامی سے آزاد نہیں کر لینا چاہیے بلکہ دوسروں کو  
بشمول اپنے دشمنوں کے آزاد کرانے کے لیے خارجاً بھی لڑنا چاہیے۔ آپ کو متحرک اور مسلسل



تعلقات دوسروں سے رکھنا چاہیے اعتماد اور بھروسہ روحانیت کے مخالف نہیں ہے۔  
 آزادی سے مراد صرف برائیوں کی غلامی سے رہائی ہے اور کسی دوسری قسم کی غلامی سے  
 نہیں۔ ایک خدا پر عقیدہ رکھنے والے کے لیے اُس پر بھروسہ رکھنا غیر روحانی نہیں ہے خارجی  
 مدد بھی روحانی مدد ہو سکتی ہے اور یہ اُس وقت ممکن ہے جبکہ آپ صداقت اور محبت کو اپنے  
 خارجی اور اعلیٰ ترین تصورات اور اپنی روح کے اصل اجزا بنالین۔ آپ کی نجات سے  
 مطلب صداقت و محبت کے عدم یعنی دروغ اور بغض و عداوت سے آپ کی مخلصی ہے یا ایسا ہی  
 ہے جیسا کہ صداقت و محبت کا مثبت اعتراف۔ آپ کو اپنے سے محبت رکھنے کے لیے تمام دنیا سے  
 محبت رکھنا ہوگی۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ خارجی مقابلہ کو ترک نہیں کر سکتے نہیں بلکہ آپ کو  
 اُسے دعوت دینا ہوگا کیونکہ وہ آپ کی روح یعنی صداقت و محبت کا اظہار ہے۔ گاندھی نے  
 کہا ہے کہ روشن ترک موالات ہی جان بلب محبت کا اظہار ہے۔ اگر آپ صرف صداقت کو چاہتے  
 ہیں تو آپ استثناء داخل اور منفرد ہونگے اور اگر صرف محبت ہی آپ کی روح کا جزو ہے تو  
 آپ برائی کے لیے جبر شعار ہونگے۔ لیکن یہ دوسری صورت صداقت کو دنیا سے ہلاک کر دیگی۔  
 برٹ رینڈرسل کے طرح کچھ لوگ ایسے ہیں جو دنیا سے جنگ کو نیرت نابود کرنے کے لیے  
 کئی قدر بے انصافی اور دروغ کو برداشت کرنے کے لیے طیار ہیں۔ گاندھی نہ تو سمجھوتہ کے اس  
 خیال کو قبول کرتے ہیں اور نہ انساے کے خیال عدم مقابلہ کو۔ وہ آپ سے نہایت موثر  
 مقابلہ کرنے کی سفارش کرتے ہیں محبت کرنے اور صداقت کا اعتراف کرنے کے لیے۔ پس  
 آپ کی محبت اس مقابلہ کو غیر تشدد یعنی امن پسند بنا دیگی۔ اور یہ امر بلا صداقت محبت کی  
 قربانی کے لڑائی جھگڑے کو دور کر دیتا ہے۔ خوشی کے ساتھ برداشت تکلیف وہ قیمت ہے  
 جو آپ باطل کے مقابلہ اور محبت کے قیام کے لیے ادا کرتے ہیں۔ یہی آپ کا معرفت نفس کا

طریقہ ہے یعنی صداقت و محبت کے قیام کا اُس حد تک جس حد تک کہ آپ کو تعلق ہے دنیا آپ کی  
 اس کارروائی سے خود بخود نتیجہ حاصل کرے گی۔ یہ کہنا غلط ہے کہ گاندھی کا پروگرام جنگجو یا نہ  
 عمل کی تاکید زیادہ کرتا ہے نسبت امن پسندانہ مضبوط تخلیقی کارروائی کے، بلکہ اصل یہ ہے کہ  
 اُنکے پروگرام کا اظہار ترک موالات میں پوری طرح نہ ہو سکا ورنہ اُسکے اندر یقیناً اس قدر وسعت  
 موجود ہے کہ غیر جنگجو یا نہ تخلیقی کارروائی بھی اُسی میں شامل ہو سکے۔ اُنھوں نے جو کام شروع کیا ہے  
 وہ ابھی صرف برطانیہ کے نارضا مند ہاتھوں سے انصاف حاصل کرنے کے متعلق ہی سوا راج  
 کی تخلیق کے متعلق نہیں ہے، گاندھی اس امر کے پوری طرح بخیاں ہیں کہ سواراج دوسروں  
 یعنی جنگجو یا نہ جدوجہد سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ چنانچہ وہ اپنے پروگرام میں بتدریج تبدیلی  
 کر رہے ہیں جس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکی اس تحریک کی خلقت محدود نہیں ہے بلکہ تمام  
 اُس تخلیقی کارروائی پر بھی حاوی ہے جو ٹیگور کو مطلوب ہے۔ لیکن ٹیگور کی محبت پروگرام کو  
 دست نہیں دیتی بلکہ عین اُس کی اساسی خصوصیت کو تباہ کر دینے والی ہے،

اس طرح سے گاندھی کی کوشش روحانی و دنیوی زندگی کو ملانے کی زیادہ معقول ہے  
 نسبت ٹیگور کے۔ برخلاف ٹیگور کے گاندھی زندگی کے مقاصد کی تیز اُنکے جاننے کے طریقہ  
 کی تعریف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ داخلیت کی فوقیت کو قائم رکھتا اور اُسکے توحید  
 والے قطع کو دور کرنا ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد کامل اخلاقی آزادی اور صداقت و محبت  
 کا اعلیٰ اعتراف ہے۔ بہر کارروائی کو خواہ وہ تخلیقی ہو یا جنگی زندگی کے ان ہی مقاصد کی  
 تابعداری کرنا چاہیے۔ گاندھی کہتے ہیں کہ وہ سیاسیات میں اسی حد تک داخل ہوتے ہیں  
 جس حد تک کہ مذہبی قوت اُنکے اندر ترقی کرتی ہے۔ اُنکا کہنا ہے کہ ملک کی وفاداری  
 تابع ہے خدا کی وفاداری کے۔ آپ تمدن کو بنگلہ نہیں کر سکتے اگر وہ آپ کی اخلاقی ترقی



## مستند

ہندوستان کے عہد اسلامی اور آغاز عہد انگریزی

مین  
ڈاک کا انتظام

”جولائی ۱۹۲۲ء کے رسالہ کلکتہ ریویو میں پروفیسر بچے کمار نے ایک محققانہ مضمون لکھا ہے جو امید ہے کہ ہمارے ناظرین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

لفظ ڈاکخانہ سے آجکل ہم جس چیز کو مراد لیتے ہیں وہ حال کی ایجاد ہے، ابتداء یہ ایک شاہی محکمہ تھا۔ حکومت کے مختلف حصوں میں قیام مراسلت، اور انتظامی اغراض کے لیے ایک دوسرے صوبہ اور شہر کو متحد رکھنے کی ضرورت کی بنا پر یہ وجود میں آیا، ۱۷۷۳ء سے قبل ہندوستان میں کوئی عام نظام ڈاک نہ تھا، اور مختلف حصص ملک میں قیام مراسلت کا کام خاص قاصدوں (خواہ وہ شخصی ہوں یا شاہی) کے ہاتھوں میں تھا، ابتدائی ڈاکخانجات کے متعلق اسپرینگلزٹ لکھتا ہے،

”ابتداء سے عہد سے دیسی ریاستوں نے۔ قاصد، پتہ، یا ہر کاروں کے ذریعہ، ذرائع مراسلات کو بہت کچھ ترقی دے رکھی تھی اور یہ بتانا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ انگریزی کی طرح دیسی زبانوں میں (شمالی ہند میں ڈاک یا دکن و ہمارا اثر و گجرات وغیرہ میں پتال کا لفظ بھی وہی الفاظ اس محکمہ کو ظاہر کرتے ہیں جو ان قاصدوں کے مرکوزوں اور سرکاری جگہوں کو بتاتے تھے۔“

میں مدینین کرتا، محبت آپ کو سب کے ساتھ صداقت میں حصہ لینے پر آمادہ کرتی ہے اور آپ وقت کی تخلیق بلا دروغ کی تباہی کے نہیں کر سکتے اور یہ دونوں ہمشکل طریقے ہیں۔ اس طرح سے دروغ کی بربادی بھی اپنے اعلیٰ مفہوم میں تخلیقی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جنگجو یا نہ کارروائی بھی تخلیقی اور روحانی ہے اور اسکو کامل غیر متشدد و امن پسند بنا کر آپ اسکی تخلیقات کی داخلی اور نیز خارجی قیمت کا بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ گاندھی نے داخلیت اور خارجیت اور فردیت و عمومیت کی درمیانی خلیجوں کو پاٹ دیا ہے۔ اور اگرچہ گاندھی کا کام مشکل سے خالی نہیں ہے لیکن وہ ان دلائل کی وجہ سے جنگوئیگور نے اختیار کیے ہیں قابل شکست نہیں ہے۔

خانہ سخن | عند الاقتام ہم یہ کہیں گے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مدرسہ شانتی نیکیتان قدیم ہندوستانی تہذیب، فلسفہ، آرٹ، تاریخ اور جدید علوم و لٹریچر اور مغربی زبانوں کی ایک بہترین درسگاہ اور مشرقی و مغربی تمدن و خیالات کا سنگم ہے طالبین صادقین صحیح ادبی و علمی ذوق اور مغربی معلومات کا ایک بہترین ذخیرہ وہاں سے حاصل کر سکتے ہیں۔ البتہ مقامی آب و ہوا کے متعلق ہم یہ کہیں گے کہ بچیم کے رہنے والوں کو وہاں کی آب و ہوا ایک عرصہ کے بعد اس آتی ہے، خصوصاً اسوج سے اور بھی کہ کھانے کا وہاں بہتر انتظام نہیں ہے۔ عموماً ترکاری وغیرہ تیل میں پکی ہوئی ہوتی ہے اور چاول اُسے ہوئے فرمائش کرنے پر ان لوگوں کے لیے جو چاول کے عادی نہیں ہیں روٹی بھی لیا رہو جاتی ہے۔ وہاں کے پانی میں قوت ہاضمہ بہت کم ہے پس ضرورت ہے کہ جو مساجدان مدرسہ مذکور میں جانے کا ارادہ کریں وہ اگر کھانے کا نہیں تو کم سے کم عمدہ ناشتہ کا اہتمام اپنی صحت کو قائم رکھنے کے لیے بطور خود کر لیں۔



قرن وسطیٰ میں ہندوستان کے سب سے پہلے محکمہ ڈاک کا پتہ ہکو علامہ الدین خلجی کے زمانہ میں ملتا ہے، یہ سلسلہ ۱۲۹۹ء میں تخت نشین ہوا تھا، مشہور مورخ ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ یہ جب کہیں کوئی فوج روانہ کرتا تو اس کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے پیادوں یا سواروں کی ڈاک کا انتظام کرتا،

مشہور افریقی سیاح ابن بطوطہ کے بیان سے، جو ۱۳۲۵ء میں ہندوستان آیا تھا، یہ بات صاف طور سے معلوم ہوتی ہے کہ چودھویں صدی کے وسط میں اس محکمہ نے کافی ترقی کر لی تھی، وہ اس نظام کو اس طرح لکھتا ہے۔

ہندوستان میں قاصد دو قسم کے ہوتے ہیں: پیادہ اور سوار، انکو عموماً ”الولاق“ (معارف ڈاک دوڑ دے، غالباً ترکی لفظ ہے) کہتے ہیں، سوار جو عموماً سلطان کے رسالوں کے جز ہوتے ہیں، ہر چار میل پر قیام کرتے ہیں، اور پیادہ ہر میل پر ٹھہرتے ہوئے ٹھہراؤ اور ٹھکانو کو طے کرتے ہیں، انکا ہر اسٹیشن (ٹھہراؤ یا ٹھکانا) ایک میل پر ہوتا تھا اور وہ ”الدادہ“ کہلاتا تھا۔ (معارف، غالباً یہ لفظ ”آدا“ ہے) ہر قاصد کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا ہوتا تھا جو تقریباً دو ہاتھ لانا ہوتا، اور اس کے سر پر گنگھر دبندسے ہوتے تھے، اس کے ایک ہاتھ میں ڈاک ہوتی اور دوسرے سے وہ اون گنگھر دن کو بجاتا، اس طرح وہ اپنے قریب کے اڈے تک جاتا ہے، اور جب اس جگہ پہنچ جاتا ہے تو پھر گنگھر دن کو بجاتا ہے، اس پر اس اڈے سے ایک آدمی نکلتا ہے وہ اس سے ڈاک لیکر دوسرے اڈے کی طرف روانہ ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ سلطان اپنی مراسلات اہل ہند پر جلد پالیتا ہے۔“

اس افریقی سیاح کے ہم عصر اور مورخ عہد شہاب الدین ابوالعباس احمد نے بھی اسی قسم کے

حالات ملے ہیں،

ڈاک کے سلسلہ میں سکندر لودھی اور بابر کے نام بھی لیے جاتے ہیں، سکندر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اس غرض سے کہ اس کے پاس روزانہ غلیب، آگرہ اور بنگال کے شرقی حدود تک کی خبریں پہنچا کرین، تھوڑی تھوڑی دور پر اس قسم کی چوکیاں قائم کی تھیں۔

بابر نے آگرہ سے کابل جانے والی سڑک کی پیمائش اور اسپر گھوڑوں کے ڈاک کے اجراء کا حکم دیا تھا، ترک بابر ہی میں لکھا ہے کہ ۱۰۱۰ھ بمطابق ۱۵۲۵ء کو چچاق بیگ کو حکم دیا گیا کہ وہ آگرہ سے کابل جانے والی سڑک کی پیمائش کرے اور وہ تعمیل احکام شاہی کے لیے اسی دن چل کھڑا ہوا، اس کام کے نظام و ترتیب کو یوں بیان کیا گیا ہے،

”ہر ۹ کردہ پر ایک بارہ مار (تقریباً ۲۴ یا ۲۶ فٹ) بلند مینار بنایا جائے اور اس کے سر پر ایک چارورہ ہو، ہر ۱۸ کردہ پر ۶ ڈاک کے گھوڑے بندھے رہیں، سواروں، سائیموں کی تنخواہ اور گھوڑوں کے دانے کا پورا پورا انتظام کر دیا جائے۔“

لیکن ترک سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ ارادہ عالم وجود میں بھی آیا یا نہیں، شیر شاہ (۱۵۴۰-۱۵۵۵ء) کا عہد حکومت، ہندوستان کی اسلامی سلطنت میں ایک خاص امتیاز رکھتا ہے، یہ اسی کا عہد تھا، جس میں مختلف سیاسی و اقتصادی معاملات میں ترقی ہوئی اور انتظام و عمل کے نئے طریقے اور اصول مرتب کئے گئے، شیر شاہ نے صرف سرزمین اور سرزمین ہی تعمیر نہیں کی بلکہ اپنی تمام سلطنت میں گھوڑوں کی ڈاک بھی جاری کی، جیسا کہ کہا جاتا ہے اس نے مختلف سرزمین پر تقریباً ۱۰۰۰ سرزمین بنوائیں، ہر سرزمین میں دو گھوڑے موجود رہتے تھے کہ خبر کو فوراً

۱۰۱ ایٹ جلد سوم صفحہ ۵۸۱ ایٹ جلد چارم صفحہ ۴۱۸ کا حاشیہ، جلد پنجم صفحہ ۱۰۲ سے ترک



یجائین اس حساب سے ہندوستان میں ڈاک کے محکمہ کے لیے ۳۴۰۰ گھوڑوں کا التزام تھا۔  
شاہشاہ اکبر (۱۵۵۶-۱۶۰۵ء) شاید پہلا بادشاہ ہے جس نے ہندوستان میں اونٹ کی ڈاک جاری کی  
آئین اکبری کی مندرجہ ذیل سطروں سے یہ بات واضح طور سے معلوم ہو جائیگی کہ سولہویں صدی میں  
محکمہ ڈاک مکمل صورت اختیار کر چکا تھا،

ہندوؤں کے ایک فرقہ کو جواوٹوں کی عادت سے بخوبی واقف ہوتا ہے "راہباری"۔  
کتے ہیں وہ دیسی اونٹوں کو اس طرح چلنا سکھاتے ہیں کہ وہ بہت قلیل عرصہ میں ایک  
معقول مسافت طے کر لیتے ہیں، اگرچہ دارالسلطنت سے لیکر حکومت کی سرحدوں تک گھوڑوں  
اور تیز آدمیوں کو ہر جاہ کوں پر محکمہ ڈاک کے لیے رکھا گیا ہے، لیکن محل شاہی میں اس قسم کے  
چند اونٹ ہر وقت موجود و تیار رہتے ہیں۔"

سترہویں صدی کے یورپین سیاحوں میں، انگلینڈر ہلٹن نے (Alexander Hamilton)  
مغلون کے نظام ڈاک کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے،  
مغلون کی حکومت میں ڈاک بہت جلد جاتی ہے، کیونکہ اون تمام کاروانوں میں جو کہ ہر  
بڑی سڑک پر دس دس میلون کے فاصلہ پر بنے ہوئے ہیں، بہت تیز رفتاری سے سفر کرتے ہیں،  
خطوط ایک رنگے ہوئے کس میں بند رہتے ہیں، اور وہ کس ہر کارہ کے سر پر ہوتا ہے جب  
دوسرے کے قریب پہنچ کر اپنے آنے کی اطلاع دیتا ہے تو دوسرا شخص اس کس کو لیکر  
اگلی جگہ کے لیے روانہ ہو جاتا ہے، اسی طرح شب و روز پانچ چھ میل فی گھنٹہ چکر ڈاک اپنے  
منزل مقصود تک پہنچ جاتی ہے، چنانچہ اس وسیع حکومت کے ابید ترین مقامات سے

تاریخ شیر شاہی، ایٹم بیلڈ پارم صفحہ ۱۴۱، آئین اکبری مترجمہ بلوچین جلد اول

صفحہ ۴۸-۱۴۹

بھی آٹھ دن کے اندر خبریں دربار میں پہنچ جاتی ہیں۔"

مغلون کے عہد میں، حکومت کے مختلف حصص میں متعدد قسم کے اخبار نگار ہوتے تھے، وہ  
۱) دقائے نویس یا دقائے نگار (۲) سوانح نگار (۳) خفیہ نویس اور (۴) ہر کارہ کے ناموں سے  
موسم تھے، وہ مستقل طور سے مرکزی حکومت کو خبریں بھیجا کرتے تھے، یہ "داروغہ ڈاک چوکی" کے  
تحت ہوتے، اسی کے پاس تمام خطوط و کاغذات آتے تھے اور وہ انکو کھولے بغیر وزیر کے حوالہ  
کر دیتا تھا کہ بادشاہ کو پہنچا دیے جائیں، ایک فارسی نسخہ سے جو شاید ۱۵ صدی کے ابتدا کا لکھا ہوا  
معلوم ہوتا ہے، ہکو پتہ چلتا ہے کہ دقائے ہفتہ دار، سوانح، مہینہ میں دوبارہ اخبار ہر کارہ ماہوار  
اور ناظم دیوان کے کاغذات بھی مہینہ میں دوبارہ جانے چاہئیں، البتہ اہم خبر و نکو فی الفور روانہ  
کرنا چاہیے، صوبوں کی دارالسلطنتوں کی تعداد میں تغیر ہو سکتا ہے لیکن اون کی کثرت آمد و رفت  
سے یہ بات لازمی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ محکمہ ڈاک کے مستقل قیام کی کس قدر ضرورت ہے۔  
درگجرات کی تاریخ مرآۃ احمدی مصنفہ محمد علی خان، دیوان صوبہ مذکور سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے  
کہ کم از کم ۱۸ صدی کے وسط میں یہ محکمہ بہت کچھ مکمل تھا، یہ تاریخ ۱۷۷۸ء میں لکھی گئی تھی، علیخان  
کے بیان کے مطابق مجس صوبہ کے ماتحت اخبار نویسوں اور دقائے نگاروں کی ایک بڑی جماعت  
ہوتی جو صوبہ کے مختلف شہروں، عدالتوں اور دفتر دن میں رہتی تھی،

"وہ روزانہ خبریں حاصل کرتا ہے اور انکو ایک خط میں درج کر کے اونٹ کے ذریعہ دربار  
کو روانہ کر دیتا ہے، سوانح نگاروں کی جماعت صرف انواہوں کو لکھتی ہے۔ تیسری جماعت  
ہر کاروں کی ہوا کرتی ہے جو صوبہ داروں کے ساتھ ہوتے ہیں، ڈاک کی چوکیان احمد آباد

1 - Pinkerton voyage vol VIII, p 316

2 Jadunath Sarkar, Mughal administration pp 47-101



اتھیر کی سرحد تک بنی ہوئی ہیں اور سوار و دون شاہی ڈاک بجانے کے لیے تیار رہتے ہیں یہ ڈاک ایک ہفتہ کے اندر شاہجان آباد یا دہلی پہنچ جاتی ہے ڈاک ایک دوسرا سلسلہ برودج سے دکن تک کا ہے۔

کرنل دکنس کا بیان ہے کہ میسور کے راجہ چک دیو نے جو ۱۷۹۲ء میں تخت نشین ہوا تھا سب سے پہلے اپنی تمام مملکت میں محکمہ ڈاک قائم کیا، میسور کا محکمہ ڈاک صرف خبر رسانی ہی کا ایک مجہول آلہ نہ تھا بلکہ خبروں کے حصول کا بھی ایک کارآمد ذریعہ تھا، پوسٹ ماسٹر اور دوسرے عامل محکمہ اپنے معمولی فرائض انجام دینے کے علاوہ حکومت کے خفیہ ایجنٹ کا کام بھی کرتے اور اپنے اپنے ضلعوں کی خفیہ کارروائیوں کی اطلاع بھیجتے رہتے تھے۔ اس طریقہ کو حیدر علی نے اور کمپل کر دیا، قرون وسطیٰ میں محکمہ ڈاک حکومت کے کاروبار کے لیے مخصوص تھا اور عام لوگ اس سے مستفید نہیں ہو سکتے تھے۔ ذاتی خطوط قاصدوں کی معرفت روانہ کیے جاتے تھے اور یہ قاصد تجارتی مرکزوں میں کثرت پاتے تھے، ممکن ہے کہ سرکاری قاصد بھی بعض اوقات مخصوص حالات میں ذاتی خطوط لیجاتے ہوں، ان ذاتی قاصدوں کو ملک کے مختلف حصوں میں مختلف نام سے یاد کیا جاتا تھا، مثلاً قاصد - پیامبر، سرکارہ وغیرہ - پیسٹر

(Peter Mundy) (۱۷۲۸-۳۳ء) کے وقت میں بازار قاصد ۱۱ یا ۱۵ دن

میں پٹنہ سے آگرہ خط لیجاتے تھے، ۱۵ "تیز رو" قاصد پندرہ بیس دن میں دہلی اور سورت کی مسافت طے کر سکتے تھے، ۱۵ پتھر کے لیے عموماً گوا سے مچھلی پٹن تک بیس دن درکار تھے ۱۵

ڈاکٹر فریڈر (Fraser) کے بیان کے مطابق دکن میں صرف پتھر ہی پیادہ ہر گاہ پتھر

1- Bombay Gazetteer vol 1 part 1, P. 214

2- Wiltto Historical Sketches of the South of India vol 1 P 89, 3- Travels of Peter Mundy, vol. II, P. 368

4- Wilson, Early Annals of the English in Bengal vol II, Part II, P. 90 5- Love, vestiges of old Madras (Indian Record Series) vol I, P. 198

6- Fraser, East India and Persia vol I, P. 279

عام خطوط کی ابتداء ۱۷۹۲ء سے شروع ہوتی ہے، جبکہ پہلے پہل کمپنی نے معمول ادا کرنے پر اپنے قاصدوں کے ذریعہ خطوط کی روانگی کی اجازت دیدی تھی، جب انگریز اول اول ہندوستان میں آئے تو انہوں نے ان قاصدوں سے اپنے خطوط و کاغذات کی ترسیل و تبلیغ کا کام لینا شروع کیا، لیکن چونکہ اس میں ضرورت سے زیادہ وقت اور روپیہ خرچ ہوتا تھا، اس لیے ۱۷۹۶ء میں ایٹ انڈیا کمپنی نے اپنے بمبئی اور مدراس کے افسروں کو حکم دیا کہ آسانی اور کمپنی کی آمدنی کے لیے اپنے اپنے یہاں محکمہ ڈاک قائم کریں، بمبئی کو حسب ذیل ہدایتیں روانہ کی گئیں،

"ہماری خواہش ہے کہ تمام خطوط کی آمد و رفت کے لیے ڈاکخانہ قائم کیا جائے ہر خط کا محصول مقرر ہو اور خط کے وزن کے مطابق ان محصولات کو دگنا یا گنا کیا جائے تاکہ چند ساون میں کمپنی کو معقول فائدہ حاصل ہو اور تجارت و سودا گروں کو ہمیشہ سے زیادہ سہولیت نصیب ہو، اس لیے تم کو چاہیے کہ خشکی اور تری کے راستوں سے ان کی روانگی کا انتظام کر کے اور مناسب مقامات پر ان کی چوکی قائم کر کے، سورت اور دوسرے مقامات پر خطوط نہایت سرعت و حفاظت کے ساتھ روانہ کر دو،"

اسی قسم کی ہدایتیں مدراس بھی روانہ کی گئیں، معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۹۶ء میں مدراس میں مناسب مقامات پر ڈاکخانے قائم کر دیے گئے اور ان سے خط و کتابت میں بہت کچھ آسانیاں

(ایک نام لے کر کے برابر ہوتا تھا)

vestiges of old Madras, 1, 544

2 - vestiges of old Madras, 1, 136



پیدا ہو گئیں۔ پہلے مدرسے سے بنگال تک قاصدوں کے جانے میں دو تین مہینے درکار تھے لیکن اب صرف ایک مہینہ میں خطوط جاسکتے تھے۔ ابتدائی محصولات کا پتہ نہیں چلتا لیکن مسئلہ کے محصولات یہ ہیں:-

فرٹ سینٹ جارج سے	دو ہنگا پٹم تک ۴ قدام
" "	بنگال " ۶ "
" "	بیبئی یا سورت " ۹ "

اسکے بعد لارڈ کلاؤ کے زمانہ تک کے ڈاکخانہ کے حالات کا کوئی مفصل حال معلوم نہیں لیکن لارڈ موصوف کے زمانہ میں پہلے پہل مستقل ڈاکخانجات کے قیام کا پتہ چلتا ہے، اس کے متعلق ذیل کا حکم ہمارے سامنے ہے،

ڈاک کے ہتر انتظامات کی غرض سے حکم دیا جاتا ہے، کہ آئندہ تمام خطوط گورنمنٹ ہاؤس سے روانہ کیے جائیں، پوسٹ ماسٹریا اسکے ماتحت رات کو تمام خطوط کو چھانٹ کر روانہ کریں، کمپنی کے مختلف مقبوضات کے خطوط الگ الگ قہیلوں میں بند کر کے، ادنیٰ کمپنی کی مہر لگا دی جائے، ذمہ دار افسر کے علاوہ کوئی اون قہیلوں اور خطوط کو نہ کھوسے اور اس ذمہ دار افسر کو چاہیے کہ صرف اپنے یہاں کے قہیلے کو کھولے، اسی قسم کے احکامات کھلتے جانے والے خطوط کے متعلق نانڈیکے جاکین لے۔

خطوط اور پیکٹ کے سرعت و حفاظت پہنچنے کے لیے بہت سے اور قوانین بھی بنائے گئے دارن ہنگو (Warren Hastings) کے زمانہ میں جگہ ڈاک میں اور ترقی ہوئی،

1-Hamilton An outline of postal history and Practice etc, p. 131.

۱۷۷۳ء میں کلکتہ میں ایک پوسٹ ماسٹر جنرل کا تقرر عمل میں آیا اور فی سو میل کے لیے ۲ فی خفا معمول مقرر کیا گیا، عام لوگوں کی سہولیت کے خیال سے اس کے تانبے کے ٹکٹ صرف ڈاک کے لیے بنائے گئے، مسئلہ میں دارن ہنگو نے قوانین ڈاکخانہ پر نظر ثانی کی اور اسی طرح اکثر نظر ثانیان ہوئی رہیں تا آنکہ ۱۷۸۳ء میں عام ڈاکخانے جاری کئے گئے اور حکومت نے مقبوضات ایٹ انڈیا کمپنی کے تمام خطوط کی ترسیل و تبلیغ کی حاکمانہ ذمہ داری لے لی۔

۱۷۸۵ء سے چند سال قبل بنگال اور مدرس کے مابین ہفتہ میں دو بار ڈاک کی روانگی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، اس وقت تک بیبئی اور مدرس اس یا بیبئی اور کلکتہ کے درمیان کوئی منتظم سلسلہ نہ تھا، ۱۷۸۶ء میں یورپ میں تاجردن کی درخواست پر ایک پندرہ روزہ ڈاک سلسلہ مدرس اور بیبئی کے مابین قائم کیا گیا تھا، اسکا راستہ حیدر آباد اور پونہ جو کر تھا اور اس میں تقریباً ۲۵ دن صرف ہوتے تھے، ۱۷۸۹ء میں اسے ہفتہ وار بنا دیا گیا اور راستہ بھی تبدیل کر دیا گیا، اب خطوط بیبئی سے فحلی پٹن اور وہاں سے کلکتہ اور مدرس جانے لگے، اس ذریعہ سے بہت سادقت پہنچ گیا اور اب خطوط بیبئی سے کلکتہ ۲۶ دنوں میں، مدرس ۱۷ دنوں میں اور مدرس سے کلکتہ ۱۹ دنوں میں پہنچ جاتے۔ پوسٹ میں ہمیشہ پیادہ پا ہوتے، ادنیٰ چوکیان عموماً سات آٹھ میل پر ہوتے اور ۲ گھنٹوں میں ادنیٰ رفتار تقریباً ترسیل ہوتی تھی۔

1- Hamilton Pp. 132-33: Clarke, The post office of

India and its story, Pp. 13, 17, 191-94.

2- volages of old Madras, III, 19, 443-45; Selections from the letters, Despatches, and other state papers preserved in the Presby Secretariat, Home Series, vol. II (1st Series), p. 347.

3- Kennell memoir of Hindostan p. 237.

کلکتہ پوسٹ کی مسافت ۴۰ میل تھی، چوکیان اور مدرس کے خطے۔ کلکتہ سے ڈاک ۱۹ میل تھا اور اس میں چوکیان Clarke, p. 143



دزن اور مسافت کے اختلاف کے ساتھ محصول میں بھی کمی و زیادتی ہوتی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ چند ہی سالوں میں اس میں مختلف تبدیلیاں ہوئی تھیں، ۱۸۵۸ء میں مدراس و بمبئی کے مابین خطوط کا محصول حسب ذیل تھا،

ایک خط کے لیے	۲ روپیہ
دگنے " "	۴
تگنے " "	۶

پیکٹ پر ۴ روپیہ فی ادس کے حساب سے محصول تھا، ۱۸۵۹ء کے بعد ۲ ۱/۲ تولہ دزن کے خطوط کا محصول حسب ذیل تھا،

بمبئی سے پورہ تک	۵۲ کوس	۲
" " حیدرآباد تک	۲۲۲	۸
" " پھلی پٹن تک	۳۳۱	۱۲
پھلی پٹن سے مدراس تک	۳۲۳ میل	۳ فام ۴
" " گنجم تک	۴۲۸	۴
گنجم " کلکتہ تک	۳۰۵	۵

۲ ۱/۲ تولہ سے ۳ ۱/۲ تک دگنا اور ۳ ۱/۲ سے ۴ ۱/۲ تولہ تک گنا اور ۴ ۱/۲ سے ۵ ۱/۲ تک چوگنا محصول ادا کرنا ہوتا اور یہ محصول اسی طرح بڑھتا جاتا۔ ۱۸۹۵ء میں مندرجہ ذیل محصول تھا،

ایک کوس تقریباً ۲ ۱/۲ کا ہوتا ہے۔

1- Selection from the letters, etc. p. 347; vestiges of old Madras III 344

### کلکتہ سے

برکپور	۲ ۱/۲ تولہ یا اس سے کم	۲ روپیہ
راج محل	۳	-
پٹنہ	۵	-
بنارس	۷	-
ڈاکرہ	۲	-
چٹاگانگ	۶	-
بمبئی	۹	- ۱
مدراس	۲ ۱/۲	- ۱

۲ ۱/۲ تولہ سے ۳ ۱/۲ تولہ تک دگنا اور ۳ ۱/۲ سے ۴ ۱/۲ تولہ تک گنا محصول ادا کرنا پڑتا اور وہ اسی طرح بڑھتا جاتا۔ ان محصولات پر ۱۸۵۸ء میں پھر نظر ثانی کی گئی؛ اتولہ کے دزن کے خط کو سنگل لیٹر در ایک سے ۱/۲ تک ڈبل اور ۱/۲ سے ۲ تک ٹریبل لیٹر قرار دیا گیا، سنگل خطوط پر ۱/۲ افام فی سو میل کے حساب سے محصول لگایا گیا؛ یہ سلسلہ بدستور جاری رہا تا آنکہ ۱۸۵۴ء میں مسافت کے خیال کو ترک کر کے تمام خطوط پر ایک ہی محصول مقرر کیا گیا،

کیرے (Carey) اپنی کتاب *The Good Old Days of Honorable John Company*

میں لکھتا ہے کہ جولائی ۱۸۹۸ء میں ذاتی خطوط عام طور سے بذریعہ ڈاک روانہ ہونے لگے اسکے قبل

- 1- Carey, The good old days of Honorable John Company. vol. 1, p. 483
2. vestiges of old Madras III, 5-41.
- 3 - vol. 1, p. 484



## تکلیفیں و تنکیر

سٹریجی ایس ہملٹن نے رسالہ ہیرٹ جرنل کے اپریل نمبر میں ایک نہایت مفصل مضمون لکھ کر ثابت کیا ہے کہ مغربی تمدن کا خلعت ہندوستان کے جسم پر درست نہیں آسکتا، یورپ کا مادی تمدن شرق کی روحانی اور اخلاقی قوت کو فنا کر رہا ہے اور شرق کے تمام امتیازات کو مٹا رہا ہے، ہر قوم کا تمدن اسکی جبلت فطرت، تخیلات، ملکی آب و ہوا اور جغرافی خصوصیات کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اسلئے ایک قوم کے تمدن کو زبردستی دوسری قوم کے سر نہ ڈھنا، اسکو دانستہ خودکشی پر آمادہ کرتا ہے، مشرقی مضمون کے طویل مضمون کے حسب ذیل اقتباسات پڑھنے کے لائق ہیں، ان اقتباسات کے ضمن میں یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس منصفانہ اور بے لاگ رائے کے باوجود ادنیٰ کے اندر اپنے مذہب کی اشاعت

داد لولہ انگیز جذبہ کس طرح دب دب کر ابھرتا، اور چھپ چھپ کر نکلتا ہے،

”اسوقت برطانیہ کو ہندوستان پر حکومت کرتے زمانہ گزر گیا ہے، بعض حصوں میں دو سو سالوں سے اور بعض میں ایک سو برس سے حاکم ہے، حتیٰ کہ پنجاب بھی تین نسلوں سے اسکے زیر نگین ہے اور اسوقت شاید ہی کوئی ایسا تنفس موجود ہوگا جسے آزاد ملکی حکومت دیکھی ہو، اس تمام زمانہ میں برطانیہ نے خود یا کسی دیسی ریاست کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں امن و امان قائم رکھا۔ ۱۸۳۰ء گجنان آباد میں ملے اور نہایت ہی وسیع پیمانہ پر پوس کا اسقدر بہتر انتظام کیا کہ دنیا کی کوئی تاریخ اسکی مثال پیش نہیں کر سکتی، ان اوقات میں کبھی بھی ہندوستان کی سرحد و سرحد پر کوئی اہم حملہ ہوا اور چند مستثنیات اور محدود دشواریوں کے سوا، ایک باشندہ یا سیاح خواہ انگریز یا دیسی اس قدر محفوظ رہا کہ یورپ کے کسی ملک میں بھی ممکن نہ تھا“

سرت چند خاص افسردہ کو بلا محصول خطوط روانہ کرنے کا حق حاصل تھا،

۱۸- صدی کے اختتام سے قبل، بھاری پارسلوں اور گھڑیوں کے بھیجنے کے وسائل بھی پختہ تھے یہ بینگیوں پر جو آدمی کے کاندھوں پر رکھی ہوتیں ایجائی جاتی تھیں، اس کو ہنگی ڈاک کہتے تھے، ہملٹن (HAMILTON) اپنی کتاب اوٹ لائنس آف پوسٹل ہسٹری اینڈ پریکٹس (OUTLINES OF POSTAL HISTORY PRACTICE) میں ہنگی ڈاک کے متعلق لکھتا ہے،

ہندوستان، انگلستان کی وزنی اشار کے طریقہ ترسیل کی ایجاد کے ایک صدی پہلے سے ایک نہایت مفید نظام کا مالک تھا، ہنگی دالے ڈاک سے سست چلتے ہیں تاہم ایک گھڑی ایک مہینہ کے اندر مرمت کے لیے کھلتے جا کر درست ہو کر واپس آسکتی ہے۔

مولو مصطفوی۔ از مولوی سید آل حسن صاحب حرم بھانی، رسالہ اصلاح۔ مع النصاح۔ از شوق نیوی۔ ۵  
شہادت نامہ شہید الشہداء۔ ۶  
رسالہ وحدت وجود۔ ۷  
رسالہ تنقیح العبادت۔ مع حالات مصنف۔ ۸  
انوار العیون فی اسرار المکنون۔ یعنی ملفوظات وحالات اور مستند انشا پر دازون اور شاعروں کے بہترین شرو و نظم کا مجموعہ۔ ۹  
مخدوم احمد عبدالحق رودلوی۔ ۱۰  
نوٹ۔ تاجروں کے ساتھ خاص رعایت یعنی ۳۳ فیصدی کمیشن علاوہ محصول ڈاک۔ ۱۱

المشتر بیگم حسرت موہانی، حسرت روڈ، کان پور

۱۱ حصہ اول صفحہ ۱۳۴



”۳ ہزار میل ریل کی سڑک بنائی گئی، ۳۰۰ میلین ایکڑ بنجر زمین کی آبیاری کے لیے نہریں بنوائیں گئیں، دس یونیورسٹیاں قائم کی گئیں اور تمام ملک میں اسکولوں کا جال بچھا دیا گیا، جو شخص بھی چاہے مغربی جراحی اور ادویات سے مستفید ہو سکتا ہے، ریل، کوئلہ کی کانون، روٹی، جوٹ، اون حتیٰ کہ لوہے کے کارخانوں میں زرکش جو زیادہ تر اہل برطانیہ کا ہے، لگایا گیا ہے غیر ملکی کارخانے اور بنک ہر جگہ کھل گئے ہیں، انھوں نے ہندوستان کی پیداوار کے لیے مڑیاں کھول دی ہیں اور اسے اس قابل بنادیا ہے کہ وہ روس زمین کے بعید ترین حصہ سے اعتبار پر کاروبار کر سکتا ہے“

”یہ وہ مادی ترقی ہے جو برطانوی حکومت، اپنے ساتھ ہندوستان لائی ہے، ملک کا نقشہ بدل گیا ہے، لباس کا قدیم طرز ادٹھ رہا ہے، کارخانے کے کپڑوں نے خانہ ساز کپڑوں کو تقریباً نابود کر دیا ہے (تا آنکہ گاندھی نے زندہ کیا) اور یورپین وضع قطع جو ادنیٰ مردوں اور عورتوں کو بہت ہی بُرا معلوم ہوتا ہے، ان کے خوبصورت کپڑوں کی جگہ لے رہا ہے، تقریباً ہر شخص دال اور باجرہ کی جگہ گیہوں اور چاول کھاتا ہے، تیرتھ اب تفریحی سفر دن سے زیادہ وسیع نہیں لیکن انسان صرف روٹی کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتا، اور نہ ایک قوم کی ترقی کا حال اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ادبین اس قدر لوہے کی در آمد ہے یا اس قدر کپڑا خرچ ہوتا ہے یا اس قدر سونا اس کے پاس موجود ہے، دراصل سوال جس کا فوری جواب مطلوب ہے یہ ہے کہ آیا ہندوستان نے برطانوی حکومت میں رہ کر کچھ روحانی ترقی بھی حاصل کی ہے اور پھر اگر اس کا فقدان ہے یا بہت ہی کم ہے تو آخر کیوں؟ پس اگر ہندوستان کے خیالات کو مغرب کے عیسائی تمدن میں رنگنے کے لیے یہ بھی کوئی چیز ہے تو بالکل یقیناً اس کی طرف دیکھنا چاہیے اور اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ ”مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب اور یہ دونوں کبھی نہ ملیں گے“ کہ مشہور مقولہ کا اب کوئی ثبوت

نہیں ملتا؛ کیونکہ حکومت کا مذہب عیسائیت ہے، اخلاقیات جن کا مطالعہ کیا جاتا ہے عیسائیت سے اخذ ہیں یا افادیات سے، تعلیم انگریزی ادبیات کے ذریعہ ہے، ایک ایسے ملک میں جہاں ہمیشہ استبدادیت رہی ہو، جو سیاسی اصول سیکھایا جائیگا وہ یہ ہوگا کہ دنیا کی نجات کا بہترین ذریعہ مغربی جمہوریت ہے، جو خوبیاں بتائی جاتی ہیں وہ تمام تر گوشت خوار انسانوں کی ہیں اور دن لوگوں کی نظردن میں جو معتدل سبزی خوار ہیں ظلم سے مشابہ نظر آتی ہیں،

”ہندوستان سے بہتر کہیں بھی مشنریوں کا انتظام نہیں، یورپ اور امریکہ کے تقریباً ہر فرقہ کی مشنری یہاں موجود ہے، اور ایک شخص یہاں رو من لیتھو لک، چرچ آف انگلینڈ، امریکن پریس بٹرن، ہٹسٹ، چرچ آف اسکاٹ لینڈ، سوئٹھ ڈے اڈونٹسٹ اور چرچ آف کرسٹ کے مبلغین کو دو ہزار مربع میل کے دائرہ میں پاتا ہے؛ مشنریوں نے انجیل کی تبلیغ کی، بیارون کو بچا لیا، بچوں کو تعلیم دی اور ہر جگہ بھلائی کرتے رہے لیکن ہندو اور مسلمانوں نے انکو اتنی نفرت سے دیکھا کہ فلسطین کے یہودیوں نے بھی حضرت عیسیٰ سے نفرت نہ کی ہوگی، نیچ ذاتوں کے علاوہ شاید ہی چند متنفس عیسائی بنائے گئے ہوں، چند ہندوستانیوں نے جذبہ شوق میں اپنے الگ کلیسا قائم کیے ہیں پر وہ سب کے سب مشنریوں کے مسلسل نگرانی و امداد کے محتاج ہیں، یہ سچ ہے کہ ہندوستان کے بعض حصوں میں ایک بڑی جماعت نے عیسائیت کی طرف اپنے رجحان کا اظہار کیا ہے لیکن یہ بڑی جماعتیں اون نیچ ذاتوں کی تھیں جو نہ ہندو ہیں اور نہ مسلمان، اور خواہ ہم اسکودھانی بیداری سمجھ کر خوش ہوں یا معاشرتی ترقی سمجھ کر روارکھیں، یہ ہکو اوس راستہ کا جو مسلمان اور ہندو آئندہ چلکر اختیار کریں گے پتہ بتانے سے بالکل قاصر ہے، بلکہ یہ خیال کہ انہیں دن لوگوں سے جو پہلے مہتر یا چار تھے مساویانہ حیثیت سے ملنا پڑ گیا، اوس قومیت کے رکاوٹ کے علاوہ جسے عیسائیت نہ توڑ سکی اور نہ سہل کر سکی، ایک اور دیوار کھڑی کرتا ہے، اسلام اور ہندو



مذہب دونوں اس وقت ہمیشہ سے زیادہ مضبوط ہیں، کیونکہ قومیت کے جدید جذبات ان دو بڑے مذاہب میں وہ رشتہ اتحاد پاتے ہیں جو ہندوستان کے کسی واحد زبان یا واحد سیاسی نقطہ خیال کے روایات میں نہیں مل سکتا۔ ہندوستان میں حال کی تمام مذہبی بیداریاں مذہبی ہونے کے بجائے زیادہ تر سیاسی و وطنی ہیں، مثلاً آریہ سماج تحریک اتحاد اسلامی، اور سکھوں کا خالص فرقہ، ہندوستان کسی نہ کسی دن عیسائی ہو سکتا ہے، لیکن یہ امید اس وقت اور درخشاں ہو چکی جبکہ انگلستان اپنی حکومت کرنا چھوڑ دے اور مشریمان اپنا قومی و نسلی غرور اور قدیم دیوتاؤں سے لڑائی باقی نہ رکھیں۔

عیسائیت کا یہی ایک اصول نہیں ہے جو ٹھکڑا دیا گیا ہے، ہر وہ شخص جو ہندوستان میں ہندوؤں سے اکثر ملتا ہے، جانتا ہے کہ حتیٰ کہ وہ ہندوستانی جسے مغربی تعلیم حاصل کی ہے، اخلاق، ترقی، تعلیم اور سیاست کے ہر مسئلہ کو بالکل ہی دوسری نظر سے دیکھتا ہے، جو مخاطب کے نقطہ خیال سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتی، انگریزوں سے زیادہ وہ مادی قوت کے بجائے روحانی اشیاء کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یہ بالکل ہی ناقابل تخیل خیال ہے کہ ہندوستانی کسی قسم کے بھی افادی اخلاق کو قبول کر لینگے یا خدا کے رضاء و قہر کی جگہ کثیر ترین تعداد کی بہترین نیکی کے اصول کو دیں گے۔ پیدائش اور حتیٰ کہ تقدس انسان کے معاشرتی درجہ کو متعین کرتا ہے لیکن دولت تو اس لائق بھی نہیں وہ روحانی خیالات جو یورپ میں رائج ہیں ہندوستانیوں پر کچھ بھی اثر نہیں کرتے، مثلاً ہندوستانی کسی صورت سے بھی انسانی برادری کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ اس بات کو نہیں مانتے کہ ہر شخص کو مساویانہ مواقع حاصل ہوں اور وہ مساویانہ معاشرت و اشتراکیت سے نفرت کرتے ہیں، ہندوستان اس وقت تک اس انقلاب سے جو فرانس نے ۱۷۸۹ء میں شروع کیا ہے نہیں گزرا ہے، اعلیٰ قوانین اب تک پنج قوموں یا بے ذات قوموں کو جانوروں سے کچھ ہی بہتر سمجھتی ہیں اور یہ پنج قومیں اپنی

حالت میں بالکل مطمئن ہیں اور انہیں اس معاشرتی تذلیل کے ہٹانے کا مطلقاً کوئی خیال بھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ صداقت کے مسئلہ کو لیجیے، ہندوستانی ویسے ہی مشرقی ہیں جیسا کہ روایت پیش کرتی ہے، خلوص کے بجائے تصنع و ظاہر داری اب تک اس کے نقطہ خیال ہیں، اور وہ چہرہ جو حقیقت کو ظاہر ہونے نہیں دیتا اس سے جو دل کھول کر صداقت بات کہتا ہے زیادہ مدوح ہے، ہندوستان کے تمام اسکول و کالج، شامد اس وجہ سے کہ وہ تمام تر دنیاوی تعلیم کے لیے ہیں اور انکی روش صداقت کی تبدیلی میں ناکامیاب ہیں۔ ذہنی صداقت اس معیوب نظر سے دیکھی جاتی ہے جس سے انہما حقیقت، ہندو مذہب اس بات پر مصر ہے کہ تمام قصوں کو بیک وقت دینیات و تاریخ سمجھا جائے اور اسلام جو قرآن کے لفظی صداقت پر بھی کچھ پوچھنے کو منع کرتا ہے یہ دونوں کے دونوں اس بات کا ارادہ کیسے بیٹھے ہیں کہ وہ ہر اس بات سے جو ان کی مقدس کتابوں کے مطابق نہ ہو صاف انکار کر دیں، اور ان لوگوں کو جو ایک آنکھ بند کر کے تدارک کرتے ہیں صداقت نہیں مل سکتی۔

مغربی اثر نے ہندوستان کی تقریباً تمام صنعتوں کو مردہ کر دیا ہے، عجیب قسم کے باریک کپڑا بننے والوں زرد و زردون، بڑے ہون اور رنگ تراشوں میں صن و خوبصورتی کی حقیقی تمیز و ذوق تھا۔ مگر مغربی مانگ و مغربی نمونوں نے ایک طرف تو انکی تمام خوبیاں برباد کر دیں اور دوسری طرف انکو سن کا صحیح معیار بھی نہ بتایا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ارزانی اور بیکار چیرونسے کام لینے کے عادی ہو گئے۔

”ان تمام واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ مغربی ترقی کی شاہراہ جو مغربی تمدن کی طرف رہنمائی کرتی ہے ہندوستانی ارتقاء کی راہ نہیں ہے، اس شاہراہ سے ہٹ کر کوئی دوسرا راستہ ہندوستان کے لیے ہے جو اس سے کسی دوسری منزل مقصود تک لیجائے۔“



## اَحِبَّاءِ عَلِيَّة

کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانہ میں اسلامی مصنفین پر جو قلمی کتابیں ہیں، ان کی فہرست بائیس سال ہوئے پر و فیسر براؤن نے مرتب کی تھی۔ اس کتاب میں قریب ۸۰۰ کے قلمی کتابیں یونیورسٹی لائبریری میں اور تقریباً اسی تعداد میں مختلف کالجوں کے کتب خانوں میں خرید کر داخل ہوئی ہیں۔ سب کی مجموعی تعداد ۱۵۰۰ ہے۔ پر و فیسر موصوف اس وقت ان قلمی کتابوں کی مفصل و شرح فہرست مرتب کرنے میں مصروف ہیں، (ٹائمز لٹریچر ریویو سلیمنٹ)

رائل ایشیائی سوسائٹی (لنڈن) کا سالانہ نمونہ طلبائی، جو مشرقین کے ہاں ایک خاص قدرے امتیاز سمجھا جاتا ہے، اب کی بار پر و فیسر گیلز کی قسمت میں آیا، جو کیمبرج یونیورسٹی میں چینی زبان کے پر و فیسر ہیں، اور چینی زبان اور اس کے متعلقات کے بڑے محقق تسلیم کیے جاتے ہیں، اس نمونہ کی تاریخ آغاز ۱۸۹۹ء ہے، اور اس وقت سے ہر تین برس کے بعد اہم مشرقی خدمات کے اعتراف میں یہ عطا ہوتا رہتا ہے۔ اس وقت تک اصحاب ذیل کے حصہ میں آچکا ہے:-

سال	نام محقق	نوعیت خدمات
۱۸۹۶ء	پر و فیسر کوویل	تحقیقات متعلق بہ زبان سنسکرت
۱۹۰۰ء	اڈورڈ ولیم ویٹ	زبان پہلوی سے کتب مقدسہ کا انگریزی میں ترجمہ
۱۹۰۳ء	سر ولیم میور	تالیفات متعلق بہ اسلام و شارع اسلام
۱۹۰۶ء	ڈاکٹر پوپ	تحقیقات متعلق بہ زبان تامل

۱۹۰۹ء سر جارج گریسن

۱۹۱۲ء ڈاکٹر فلیٹ

۱۹۱۵ء } مسز بیوس  
(۱) مسز گبس

۱۹۱۵ء ڈاکٹر ولفنٹ اسٹھ

۱۹۲۱ء پر و فیسر گیلز

تحقیقات متعلق بہ السنہ ہند

تحقیقات متعلق بہ علوم چین

تالیفات متعلق بہ تاریخ ہند

تالیفات متعلق بہ ملک چین

..... (ٹائمز لٹریچر ریویو سلیمنٹ)

بابر نامہ (شہنشاہ بابر کی خود نوشت سوانح عمری) کا ایک ترجمہ انگریزی زبان میں مسٹر لیکن کا کیا ہوا پیشتر سے موجود تھا۔ مگر وہ براہ راست ترکی سے نہیں بلکہ فارسی ترجمہ سے ہوا تھا۔ اسے ترجمہ در ترجمہ ہو گیا تھا۔ ماہ جولائی میں مسز بیورج کے قلم سے اس کا ایک جدید ترجمہ انگریزی زبان میں ہوا ہے، جو براہ راست ترکی سے ہوا ہے۔ لنڈن کے مشہور مشرقی دارالاشاعت یوزک پبلی نے اسے شائع کیا ہے۔ کتاب دو ضخیم جلدوں میں ہے، اور قیمت ڈو پونڈ ساڑھے بارہ شلنگ ہے، قانون موصوفہ دس سال سے اس کام میں مصروف تھیں۔ کتاب کو انھوں نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے، پہلا حصہ متعلق بہ فرغانہ، ۱۹۱۲ء میں تیار ہو گیا تھا، دوسرا حصہ متعلق بہ کابل ۱۹۱۳ء میں، تیسرا متعلق بہ ہندوستان ۱۹۱۴ء میں اور چوتھا، جو دیباچہ، فرہنگ وغیرہ پر مشتمل ہے ۱۹۲۱ء میں تیار ہوا۔

..... (ٹائمز لٹریچر ریویو سلیمنٹ)

سویٹ کی عکداری (دوس) سے وسطی کا چلا ہوا ایک خط کچھ روزہ ہونے کی وجہ سے لنڈن میں ایک صاحب کو موصول ہوا۔ جن کچھ تین فٹ طویل اور سات انچ عرض رقبہ میں گٹ چپان تھے، لکھنوی کی تعداد ۵۰ تھی، جن میں ۵۰ کی قیمت دو دو سو روپے تھی، اور سو ایسے تھے، جو تین سو روپے دے کر، گویا کل لکھنوی مجموعی تعداد ۴۰۰۰ روپے تھی۔ جنگ سے قبل ایک روپے تقریباً شلنگ کے



# احمد علی

محمد علی کی یاد میں

از مرزا احسان احمد بی اے

اے پردہ کشائے حسن عرفان      اے جلوہ در ہلال احمر  
صدقے تری جان شاریون کے      فطرت کا بدل دیا ہے منظر  
جو رنگ ہے تیری زندگی کا      آزادی روح کا ہے منظر  
پامال ہے یون جو کفر باطل      یہ تیرے خلوص کی ہے ٹھوکر  
لرزان تری خاکساریون سے      بنیاد غرور و فتنہ و شر  
ہر موج نفس میں تیری پہنان      سرستی موجِ حبا م کوثر  
کاشائے زندگی میں تیرے      قندیلِ حرم ہے جلوہ گستر  
آئینہ جان کا تیرے صیقل      خاکِ درِ ملتِ ہمیں  
یہ چہرہ تانباک تیرا      فردوسِ ارم کا اک گل تر  
لبریز گداز ہے ترا دل      سرشارِ نیا زہ ہے ترا سر  
سہ تیری نوا ہے حریت سے      معمورِ فضا ہے ہفت کشور  
آتشکدہ حیات تیرا      ہے سویرِ بلال سے منور  
سہ ذوقِ فنا ہے تیرے نازان      جانبازی کشتگانِ خیر  
دنیا کو دکھا دیا ہے تونے      توحید کا چہرِ جلال منظر

مساوی ہوتا تھا، اس حساب سے ٹکٹوں کی قیمت ۴۰۰۰ پونڈ ہوئی، لیکن موجودہ شرح تبادلہ کے لحاظ سے یہ چالیس ہزار روپے بہت ہی حقیر قیمت کی شے ہیں، (ٹوٹی میل)

۰۰۰۰

معزول قیصر جرمنی نے اپنے قلم سے اپنی سوانح عمری (رنگِ قیصری) تالیف کی ہے، امریکا کے ایک دارالاشاعت نے اس کے حقوق تالیف ۵۰۰۰ پونڈ (۵۰۰۰ روپیہ) معاوضہ دیکر خرید لیے ہیں، اس کی پہلی قسط غالباً یکم ستمبر کو شائع ہوگئی ہو، (ایضاً)

۰۰۰۰

یورپ میں مشہور تصانیف کے فلمی نسخوں اور ابتدائی ایڈیشنوں کی جو قدر ہوتی ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سیکے گا، اگر حال میں جب شکسپیر کے مجموعہ تصانیف کا نیلام ہونے لگا، تو پہلی بولی ایک ہزار پونڈ سے شروع ہوئی اور بالآخر ۸۶۰ پونڈ کی بولی پر پہنچ کر نیلام ختم ہوا، یہ مجموعہ ۱۶۲۳ء میں طبع ہوا تھا، دوسرا مجموعہ جس کا سال طباعت بھی یہی تھا، ۵۴۰ پونڈ میں نیلام ہوا، یہ دونوں نیلام امریکی شائقِ علم مسٹر دزن بیک کی بولی پر ختم ہوئے۔ اسی نیلام میں فارسی کی بھی ایک فلمی کتاب جس کا نام نہ معلوم ہو سکا، ادر جس پر سال کتابت ۱۲۵۷ھ درج ہے، ۸۰۰ پونڈ میں فروخت ہوئی، (ایضاً)

۰۰۰۰

حال میں بعض دیوبند کے موثرین ایسی ایجاد ہوئی ہیں، جن کی شرح رنقار دو میل فی منٹ کی ہے! ان کے چلانے سے پیشتر کئی گھنٹہ تک انتہائی احتیاط و اہتمام کے ساتھ ان کے ایک ایک پیرزہ کو تیار کیا جاتا ہے، اور اس کے بعد یہ چھوڑی جاتی ہیں۔ ان کی سب سے سست رنقار ایک میل فی منٹ کی ہوتی ہے، اس کے بعد تیزی کے ساتھ شرح رنقار بڑھنے لگتی ہے، ابھی ۹۰ میل فی گھنٹہ تھی اب



ہے اس میں نہان حیاتِ مُسلم  
لکھی ہے یہی کائناتِ مُسلم

اے جلوه فزاے بزم ہستی	اے مایہ نازشیں زمانہ
لایا ہے ازل سے تو اسیری	تیرا ہے نفس ہی آشیانہ
تو لاکھ شکست کھائے لیکن	انداز ترا ہے فنا تھانہ
سرمایہ تقویت ہے تیرا	عدلِ عمری کا تازیانہ
ہر پیرِ دین احمدی سے	رشتہ ہے ترا برادرانہ
ہے مایہ کیفِ روح تیرا	تو حید خلیل کا ترانہ
پھر یاد دلادیا ہے تو نے	سلمانِ نبی و صہیبؓ کا فسانہ
ہے تیری حبیبِ آرزو کا	مصرعے حجازِ آستانہ

جو جام شراب آگئی ہے

سرچشمہ کیف معنوی ہے

اے آفتِ خرمینِ ستمگر	اے لمحہ فرورِ برقی ایمان
تیرا یہ جنونِ روح پرور	سرمایہ نازشِ خرد ہے
جو درد ہے تیرے دل کے اندر	وہ روحِ حیاتِ جاودان ہر
رعنائیِ کفر ہے نگون سر	ایمان کی تیرے ٹھوکر دن کو
آغوشِ ستم کا ناز پرور	ہے دولتِ حلوٰں تیرا
ہے شانِ تری بلند و برتر	دنیا کے جلالِ ظاہری سے
ہے ننگِ تجھے کلاہِ دافسر	تو خسرِ دیوِ ریا نشین ہے

تو میل ہوئی یہاں تک کہ پورے ۱۲۰ میل فی گھنٹہ ہو گئی۔ اس حالت میں شور اس قیامت کا ہوتا ہے، کہ بات چیت کی آواز کان میں آنا ناممکن ہو جاتی ہے، مہمور اس دردِ دست کے اشارات سے گفتگو ہوتی ہے، چلنے میں ہوائی جہاز کی سعی خراہٹ ہوتی ہے، اور سوار یون کو یہ محسوس ہوتا ہے، کہ بجائے زمین پر حرکت کرنے کے ہوا میں اڑ رہے ہیں (ایضاً)

— 2 —

بیرسلا (علاقہ جرمنی) سے خبر آئی ہے، کہ ایک نوجوان شخص جو ایک لوہار کی دکان پر کام کرتا تھا، ایک مکان کی چھت سے گر پڑا۔ لوگ اٹھا کر اسپتال میں لے گئے۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کر کے یہ پایا، کہ کاسٹ سرٹوٹ گیا ہے، اور بجز ایک کے ساری ہڈیاں شکستہ ہو گئی ہیں، مجروح ۱۴ سال تک اسپتال میں رہا، اس کے بعد ڈاکٹروں نے کاسٹ سر کے استخوان شکستہ میں دہات کی ایک پیٹ لگا دی، اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے بجائے سونے اور پلاٹینم کی ہڈیاں لگا دیں، ان اعمال جراحی کی تکمیل میں ۲½ سال کی مدت اور صرف ہوئی، اس کے بعد مجروح کو اسپتال سے خلاصی ہوئی، اور اب وہ اچھی طرح چلتا پھرتا ہے۔ البتہ سونے اور پلاٹینم جیسی بیش بہا معدنیات کے اس کے جسم میں داخل ہونے کے باعث اسکی جان کافی پرخطر ہو گئی ہے، اس لیے حکومت کو اس کی حفاظت کا خاص انتظام کرنا پڑا ہے، اور اس کی نگہبانی کے لیے پولیس مقرر کر دی گئی ہے، جو چوروں اور تزاقوں کی دستبرد سے اسے محفوظ رکھے،

(ایضاً)

— • —

برطانیہ کے مشہور استاد سائنس، سر آئیور لاج نے، جنہوں نے حال میں اپنی ایکٹروین  
 ساگرہ منائی، اخبار ڈیلی میل کے ایک نمائندہ سے بیان کیا کہ وہ اپنے وقت کا بڑا حصہ لاسکی سے  
 متعلق تحقیقات میں صرف کرتے رہتے ہیں، اور ایک مددگار کی اعانت سے اسی کے متعلق تجربات



واختیارات میں مصروف رہتے ہیں۔ سیر آئیو رنے یہ بھی کہا کہ بارش کا انحصار فضا کی کمر ہائیت پر ہے، مصنوعی و خارجی تدابیر سے اگر فضا میں کافی برقیات پیدا کر دی جائے، تو فوراً بارش ہونے لگے۔ انھوں نے یہ توقع ظاہر کی، کہ کسی زمانہ میں ایسا ہو کر رہیگا،  
(ایضاً)

۰۰۰

ڈرہم روڈ، پلٹسٹڈ (انگلستان) میں ایک ٹمٹر خاتون مقیم ہیں، جنہوں نے ۷۰- اگست کو اپنی عمر کے ۱۰۵ سال ختم کر کے ۱۰۶ سال میں قدم رکھا۔ انکی ساری عمر دیہات میں گزاری ہے، انکے قومی میں اب تک کوئی غیر معمولی ضعف نہیں، صرف کسی قدر ثقل سماعت ہے۔ ہاضمہ اتنا اچھا ہے، کہ شب روئے میں چار مرتبہ سیر ہو کر کھانا کھاتی ہیں، اور سال بھر آدھریک بے عمارت ایسی تھی، کہ کتابیں پڑھ لیتی تھیں، ۳۶ سال ہوئے جب انکے شوہر کی وفات ہوئی،  
(ایضاً)

۰۰۰

سر ولیم گیری نے اپنے پارک واقع کینٹ (انگلستان) میں ایک عجیب قسم کا باغ لگایا ہے، اسٹک کے کنارے کنارے دور ویر درختوں کی قطاریں ہیں، جو تقریباً نصف میل چلی گئی ہیں، اور نسبت یہ رکھی ہے کہ درختوں کا آغاز انگریزی ابجد کے ابتدائی حرف (اے) سے ہوتا ہے، بعد دے درخت بعد کے حروف (بی۔ سی وغیرہ) سے شروع ہوتے ہیں یہاں تک کہ انکا خاتمہ انگریزی کے آخری حرف (ڈی) پر ہوتا ہے،  
(ایضاً)

۰۰۰

گلکٹہ کے ایک نامور مسلمان خاندان کے ایک نوجوان رکن حسن شاہ سہروردی کو آٹھ دس سال ہوئے علیگڑھ کالج نے وظیفہ دیکر حصول تعلیم کے لیے یورپ روانہ کیا تھا۔ وہ انگلستان سے واپس چلے گئے تھے، کہ جنگ چھڑ گئی، اور عرصہ تک ان کی خبر نہ معلوم ہوئی۔ اب تازہ اطلاعات سے

معلوم ہوا، کہ وہ بہ خیریت ہیں، اور اس اثنا میں اپنے مذاق کے معنائین کا برابر مطالعہ کرتے رہے۔ انکے مخصوص ذوق کی چیزیں، فنون لطیفہ اور خصوصاً ڈراما اور تھیٹر ہیں۔ ان معنائین میں انہوں نے کمال کے ساتھ شہرت بھی حاصل کی ہے، اور ان کی تحریریں ان عنوانات پر دس کے مشہور رسالوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں، روسی زبان پر انہیں پوری قدرت حاصل ہو گئی ہے، اور جرمن و فرینچ زبانوں میں بھی کافی مہارت پہنچالی ہے،  
(کالیجین)

۰۰۰

امریکہ کی اکاڈمی آف پولیٹیکل اینڈ سوشل سائنس کے سہ ماہی رسالہ میں مایات یورپ و مسائل زیر بعض اہل ہندو مقیم یورپ و امریکہ کے معنائین کو بھی جگہ ملے لگی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ ان معاملات میں بعض اہل ہند ماہرین فن کے مرتبہ پر تسلیم کر لیے گئے ہیں،  
(ایضاً)

۰۰۰

پیرس کے ایک مشرق جبریل فرانڈ عربی سے فرینچ میں ترجمہ کر کے ایک کتاب اس عنوان سے شائع کر رہے ہیں، "ایک عربی سیاح، سلیمان کا سفر نامہ چین و ہند"، یہ سفر نامہ تیسری صدی ہجری کا ہے،  
(ایضاً)

۰۰۰

ڈاکٹر ڈوگین ڈاکٹر کٹر شعبہ اصوات، کتب خانہ سرکاری برلن کے حسب فرمایش ایک ہندوستانی، پروفیسر مینوے کمار سرکار کی آواز انگریزی زبان کو ادا کرتی ہوئی ایک فونو گراف میں محفوظ کی گئی ہے۔ نامور ماہر سنسکرت ڈاکٹر لویڈرس کی فرمایش پر انہیں صاحب کی آواز بنگالی زبان کو ادا کرتی ہوئی بھی فونو گراف میں محفوظ کی گئی ہے  
(ایضاً)

۰۰۰

مستشرقین جرمنی کی کانفرنس کا دوسرا سالانہ اجلاس اب کی مرتبہ برلن میں ۴- بغایت ۶- اکتوبر



منعقد ہوگا، یہ کانفرنس، جرمن اور نیشنل سوسائٹی (پیزگ) کے زیر اہتمام منعقد ہو رہی ہے جس کی عمر ۵۰ سال کی ہو چکی ہے۔ بانیان کانفرنس ہندوستان کے شایقین علم و فن سے مالی امداد کے مستعد ہیں (کا۔ بھین)

کچھ روز ہوئے کو لمبیس سرکل (امریکہ) میں ایک خستہ و ماندہ کبوتر زمین پر پڑا ہوا ملا۔ تفتیش سے اسکے بازو پر ایک مکتوب بندھا ہوا ملا، جس کے کاتب ایک محقق حیوانات مسٹرایڈ سنڈ ہیلر تھے، جو ایک کوہستان میں جا کر راہ بھول گئے تھے، اور وہاں سے طلب امداد کے لیے اس کبوتر کو قاصد بنا کر بھیجا تھا اس مقام سے جہاں یہ کبوتر ملا ہے اس کوہستان کا فاصلہ ۱۹۰۰ میل کا ہے، یہ فاصلہ اس نے غالباً پانچ دن میں طے کیا۔ اس حساب سے اس کی شرح پرواز ۳۸۰ میل فی یوم پڑتی ہے،

.....<.....>.....

انڈیانا (امریکہ) میں ڈاکٹر ون کو ایک عورت مسز ہیلن وریکوڈ کی بابت ایک نہایت عجیب تجربہ یہ ہوا، کہ جو وقت وہ اپنے گم شدہ فرزند کو تلاش کر رہی تھی، ایک ٹرین نے آکر اسے دھکا دیا، جس کے صدر سے وہ گر پڑی، اور دوسرے روز اسکی حرکت قلب بند ہو گئی، تاہم وہ مری نہیں اڈاکٹر اسکی نبض ڈھونڈتے تھے، نبض کا پتہ نہ تھا تاہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا اڈاکٹر وکام بیان ہے کہ اس طبی خرق عادت کا باعث محض اس کی ماتا تھی، لڑکے سے اسکا تعلق خاطر اسدرجہ زبردست تھا، کہ اس نے حرکت قلب رک جانیکے باوجود بھی اگر زندہ رکھا تیسرے روز حرکت قلب از سر نو جاری ہو گئی، اور عورت تندرست ہو کر ہسپتال سے رخصت ہوئی

.....<.....>.....

اصحاب اومینو پیٹی کے حدود میں اسوقت جتنے طلبہ قومی مدارس میں زیر تعلیم ہیں انکی تعداد ۴۰۰۰ ہے انکے لیے ۲۰۰ اساتذہ کام کوہے ہیں اسکے مقابلہ میں سرکاری و نیم سرکاری مدرس میں طلبہ کی تعداد کل ۱۰۰۰۰ ارہ گئی ہے اور انکے لیے ۲۵۰ اساتذہ کام کوہے ہیں، گویا ہر مدرس کے حصہ میں کل سات سات لڑکے آتے ہیں۔ (دبئی کرانیکل)

ہمت ترے قلب ناتوان کی  
غیرت وہ قیصر و سکندر  
اک نعرہ ترے شکستہ دل کا  
برہم زن صد ہزار لشکر  
محررم وطن ہے گرچہ لیکن  
ہر دیدہ ترین ہے ترا گھر  
ایثار ترا، تری سپر ہے  
بیکار ہے سخی تیغ و خنجر  
کیا خوفِ عدد ہو تجھ پر طاری  
خود رحمت حق ہے تیری یاد  
تبلیغِ پیامِ راستی ہے  
کل سخی دُعل کا تیرے محور

تو تشنہ فوق ہے اسی کا

مقصود یہی ہے زندگی کا

اے محرم راز ہاے فطرت  
اے جلوہ شناسِ برقِ امین  
آغوشِ ترے گدازِ دل کا  
ہے برقِ حیات کا نشیمن  
خاموشی لب پہ تیری قربان  
ہنگامہ جوشِ آہ و شیون  
دیرانیِ دل پہ تیری نازان  
شادابیِ صد بہارِ گلشن  
تیرے اعجازِ سادگی سے  
دائستہ ذوقِ دار و زنجیر  
ہے روزِ ازل سے تیری گردن  
گھمائے ریاضِ منوی سے  
معمور ہیں تیرے جیب و دامن  
اک برقِ سی کو نندی ہے ہر سو  
سینہ ہے ترا کہ دشتِ امین  
ناکامیِ ظاہری پہ تیسری  
نخِ ابدی ہے سایہِ فلک  
مسلم کے لیے ہے ذاتِ تیری  
امید کا اک چراغِ روشن  
لبریزِ فردِ غیاثِ دانی  
آئینہ صبحِ زندگانی



# بَابُ التَّفْقِیْهِ وَالْجَوَابِ

## تنقید دیوان فانی

از

جناب محمدالدین صاحب تاثیر بی سلسلہ لاہور

پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ میں ذاتی طور پر نہ تو صاحب دیوان کو اور نہ نقاد مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کو جانتا ہوں، اس بنا پر میرے خیالات جنبہ داری کے عیب سے پاک ہیں۔ معارف جولائی ۱۹۲۲ء میں دیوان فانی پر جو تنقید چھپی ہے، وہ یقیناً صحیح معنوں میں تنقید ہے۔ معزز نقاد نے تو پرانی لکیر کا فقیر ہے اور نہ تصوف و فلسفہ کی چاشنی، بدائع تراکیب یا کسی جائز جدت طرازی کا وہ اصولاً مخالف ہے اور وہ ذاتی دوستی یا عناد کے احساس سے بھی میرا نظر آتا ہے اسنے کلام کے عیوب اور محاسن دونوں بیان کر دیے ہیں، اردو ادب کی تاریخ میں اس قسم کی تنقید کی مثالیں بہت کم نظر آتی ہیں، مجھے عموماً اس تنقید سے اتفاق ہے تاہم کہیں کہیں اختلاف بھی ہے، جس کا ظاہر نہ کرنا درحقیقت جرم اخفاء شہادت ہے،

تنقید کے پڑھنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ مولانا لکھنؤ کے مذاق اور آداب سخن کے حامی ہیں اور یہی ایک مرکز مولانا کے تمام اعتراضات کا محور ہے، مثلاً فانی کہتے ہیں،  
روحِ دل کو غمِ الفت کو قلم کہتے ہیں گن ہے اندازِ رقم حسن کے افسانے کا  
اعتراض یہ ہے کہ غمِ الفت کا قلم نہ حقیقتہً، صحیح ہے نہ مجازاً نہ استعارۃً۔  
یہ شخص ذاتی بات ہے۔ شاعر غمِ الفت کو وجہ تخلیق سمجھتا ہے، اور اس لیے لوح پر جو کچھ

منقوش ہے وہ خائے غم کی نقش آرائی ہے، دل کو لوح سے اور حوت کن گن اندازِ رقم ہی تشبیہ دی گئی ہے تو غمِ الفت کو ادس کا قلم بنایا گیا جو باعث تخلیق و آفرینش ہے، غرض یہ کائنات، نقاش ازل کی تحریر ہے اور غمِ عشق آلہ تحریر، یہ صوفیا کے ایک پامال خیال کی بدیع تعبیر ہے،

چار زنجیرِ عناصر ہے زندانِ موت و حشر عشقِ ذرا سلسلہ جنبان ہونا

”دعنا صر کے لیے زنجیر کا استعارہ بحث طلب ہے، جسم خاکی کو زندان کہنا عام بات ہے اور اس رعایت سے عناصر کو زنجیر کہنا شاعری کی جان ہے، ممکنات عالم کے پانوں میں عناصر رابعہ کی چار زنجیریں پڑی ہیں، جس سے وہ زندان ہستی میں مقید ہے، اس لیے عناصر کے لیے زنجیر کا استعارہ بہت مناسب ہے،

یوں نہ کسی طرح کٹی جب مری زندگی کی رات چھڑ کے داستانِ غم دل نے مجھے سلا دیا  
”زندگی کے دن کاٹنا محاورہ ہے، زندگی کی رات کاٹنا محاورہ نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ جس کی تمام زندگی ایک تاریک رات ہو وہ محاورہ کو کیا کرے۔ یہ بظاہر خلاف محاورہ ترکیب فانی کے (Peculiar) یا سبب فلسفہ زندگی کا منظر ہے، اس طرح۔

غزیرِ خاطرِ فطرت ہے جانِ عبرت ہے ہر ایک ذرہ جو اس عالمِ غبار میں ہے  
اعتراض ہے ”عالمِ غبار“ کے لیے فارسی زبان سے سند متواتر درکار ہے، جواب یہ ہے

کہندہ کارنین۔ ”عالمِ غبار“ کی ترکیب ایک بسیط فلسفہ فنا کو لیے ہوئے ہے، ”عالمِ خاک“ تو عموماً شعرا کے قدیم نے باندھا ہے کیونکہ ابدن کے نزدیک انسان کی تخلیق کا جزو غالب مٹی تھی، لیکن اب جب کہ عناصر تخلیق ذرات، اجزائے فردہ اور سالمات ہیں تو عالمِ غبار کیوں نہ کہا جائے  
ملاوہ ازین عالمِ خاک کہنے سے تو عالم کے وجود کا کس قدر استحکام بھی سمجھا جاسکتا ہے لیکن جب شاعر ادس کو عالمِ غبار کہتا ہے تو اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کے نزدیک عالم میں اتنا استحکام اور استواری



اور شیرازہ بندی بھی نہیں جس قدر خاک میں ہے، جب نقاد جائز جدت طرازی کا مدح ہے تو بھلا کہ  
”دیائے پریشان“ اور ”پرتا ہوا جگر“ کے لیے سند متواتر کیوں درکار ہے،

اے اجل گھبراہ گاتہائی تربت سے دل یہ ابھی بھولا نہیں ہے جوشِ وحشت کے مزے  
اعتراض ہے ”وحشی تنہائی سے نہیں گھبراتا ہے“ یہ شاید نفسیات کا مسئلہ ہو، ہم نے تو تنہائی کو خوش  
سنا ہے اور وحشت خود ایک حالتِ اضطراب یا گھبراہٹ کا نام ہے،

کاش میں واقف نہ ہوتا رسمِ دروہ عشق سے کاش تم سمجھو کہ عشقِ فتنہ گر کیا چیز ہے  
”توازن کے لیے بھوک کی بجائے بجھتے ہو نا چاہیے“ یقیناً اگر ایسا ہوتا بہتر ہوتا، مگر وزن کی  
قید سے یہ عدم توازن پیدا ہوا ہے،

عشقِ صادق وہ کہ دل سے لب بیکل ملتا نہیں حسنِ یکتا وہ کسی نے جسکو دیکھا ہی نہیں  
”عشق صادق کا لب تک آنا بالکل بے معنی ہے“ بالکل بے معنی، ایک فیصلہ کن حکم ہے۔ مگر آگے  
چل کر نقاد خود ہی کہتا ہے کہ ”یہ دونوں مصرعے قابلِ تاویل ہیں“، ظاہر ہے کہ عشقِ صادق کے لب تک  
آنے کا مقصود اس کے اظہار کا لب تک آنا ہے، اور قرینہ اس حذف پر دال ہے،

وہ تیری بزمِ تخی زلی جہین چپ کی داد یہ حشر ہے یہاں تو کھلے گی زبانِ داغ  
”زبانِ داغ نہ حقیقتِ صحیح ہے نہ استعارہ“ یہ میں نہیں سمجھا کہ یہ استعارہ کیون صحیح نہیں مقصود  
یہ ہے کہ غمِ عشق کے داغ خود نمایان ہو کر وجہ اظہار ہو جائیں گے، اور یہی ”داغ کی زبان“ ہے  
یہ استعارہ تو بالکل کھلا ہوا ہے،

بھاڑ کر فانی گریبانِ محر ہم چلے دامانِ محشر کی طرف

”گریبانِ محر کا استعارہ بحث طلب ہے“ یہ استعارہ بھی صاف ہے۔ محر کی ظاہری صورت  
گریبان سے ملتی جلتی ہوتی ہے، اس لیے اسکو گریبان محر سے تعبیر کیا ہے، جس طرح انسان گریبان

سخت ڈالتا ہے، اسی طرح مردہ بھی لباسِ قبر میں چھپنے کے لیے اوسین منہ ڈالتا ہے،

یا کہ دل گیا کوئی پوچھے تو کیا کہوں یہ جانتا ہوں دلِ ادھر آیا ادھر گیا  
”دل“ کا لفظ مصرع ثانی میں واقعی زائد ہے نہ تو اچھا ہوتا،

عیادیوں پر دن میں گرہ باندھتے ہیں کیا بے دردِ بندست کسی کا جگر گیا

”پروں میں گرہ باندھنا صحیح نہیں“ اس سے اگر یہ مقصود ہے کہ پروں میں گرہ باندھنا محاورہ

صحیح نہیں تو مجھے اس سے واقفیت نہیں، لکھنؤ کے کبوتر بازار اسکو بہتر جانتے ہونگے، اور اگر مقصود

ہے کہ پروں میں گرہ باندھنے سے بند بند کیونکر جکڑ گیا؟ یہ توصیف ہے اور اوی کو شاعر

کہنا چاہتا ہے کہ عیاد نے پروں میں اس طرح گرہ باندھی ہے یعنی اس سنگدلی اور بیدردی سے

باندھی ہے کہ صرف پروں کے باندھنے سے مرغ اسیر کا بند بند جکڑ گیا ہے،

”نارِ سا ہونا“ اور ”داستانِ آغاز کرنا“ میرزا غالب کا متبع ہے، اہل لکھنؤ کو یقیناً اس پر اعتراض

ہوگا مگر اختلافِ ذوق کی مجبوری ہے،

یہ تو اعتراضات سے اختلاف تھا۔ اب حضرت نقاد کی ایک تحسین سے بھی مجھے اختلاف ہے

”اب انکو ادھٹی ہے وہ جنبش ہوئی ہلکی سی مرغان کو وہ چھٹرا چاہتے ہیں نوکِ نشتر سے رگِ جان کو

”ہلکی سی مرغان ایک نہایت ہی جدید ترکیب، اور ایک نہایت ہی جدید استعارہ ہے اس کا

شعبہ ہر لطیف متدبیر ہو سکتی ہے لیکن قافی نے مناسبتِ کلام سے نوکِ نشتر کو شعبہ برقرار دیا ہے“

”بے خیالِ ناقص میں یہ تمام مع سرائی“ بالکل بے معنی ہے ”کیونکہ ہلکی سی“ کا تعلق ”جنبش“ سے

”بے مرغان سے نہیں“ یعنی ”اس مرغان کو ہلکی سی جنبش ہوئی“ نہ کہ ”اس ہلکی سی مرغان کو جنبش

ہوئی“



## مطبوعات جدید

منہاج المنطق، اب تو قدیم عربی علوم پر شاذ و نادر ہی کوئی کتاب اردو میں لکھی جاتی ہے، ایسی جان میں یہ پیش نظر رسالہ بسا غنیمت ہے، مولوی سید آقا رضا صاحب حیدر آبادی نے اس نام سے اردو میں قدیم منطق پر یہ رسالہ سوال و جواب کے طرز میں لکھا ہے، طریقہ ادا سلجھا ہوا، عبارت صاف اور اختصار کے ساتھ تمام مسائل پر احتوا ہے، امید ہے کہ منطق خوان طلبہ کو اس سے فائدہ پہنچے بڑی تطبیح کے ۵۲ صفحوں پر یہ رسالہ ہے، قیمت ۸/- پتہ ۱- مولوی کاظم علی صاحب تنظیم دفتر صد بابی سرکار عالی حیدر آباد دکن،

فلسفہ اخلاق، پنجاب کے منشی فاضل اور منشی عالم کے امتحانات میں اخلاق جلالی کے کچھ ابواب داخل ہیں، قدیم فلسفہ اخلاق میں یہ فارسی کتاب اپنے اختصار اور اختصار کے ساتھ تمام مسائل پر احتوا کے لیے بہت مشہور ہے، ابواللسان محمد سلیم صاحب منشی فاضل معلم ادبیات اردو دارالعلوم امر اوتی رہا، نے داخل ابواب کا اردو میں ترجمہ اور تفسیر کیا ہے، مطالب کو اپنے طریق پر جدید انداز میں ادا کیا ہے، یعنی ترجمہ میں کتاب کی لفظی پابندی نہیں کی ہے، جا بجا اپنی طرف سے حاشی چڑھائے ہیں، ہر باب کے آخر میں طلبہ کے لیے سوالات لکھے ہیں، یہ کتاب گو خاص مقصد سے لکھی گئی ہے لیکن ہمارے نزدیک عام اردو دان اصحاب بھی جن کو قدیم فلسفہ اخلاق کے متعلق کچھ جاننے کا شوق ہو اس سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں، قیمت ۴/- مترجم سے نشان بالا پر ملے گی،

ہندوستانی، ہندوستانی زبان، جیسا کہ انگریز اردو دیکھتے ہیں، اس کے قواعد و زبان پر انگریزی اردو میں انگریزوں کے اردو دیکھنے کے لیے جناب منشی محمد اکبر خان صاحب حیدری نے یہ کتاب

تالیف کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں میں یہ تالیف بیک وقت مقبول ہوئی ہے کیونکہ اس وقت پیش نظر نسخہ طبع بنیم ہے، منشی صاحب نے پہلے حروف ابجد بنائے ہیں، پھر اردو تلفظ بنایا ہے، پھر ریڑوں کے طریق پر کچھ الفاظ اور پر لکھ کر نیچے ادھین الفاظ سے فقرے بنائے ہیں، اور انگریزی سے اردو اور اردو سے انگریزی کرنا سکھایا ہے، ساتھ ساتھ قواعد کی مشقی تعلیم بھی کی ہے، آخر میں کام کے ضروری اردو کلمات مع انگریزی ترجمہ کے لکھ دیے ہیں، کتاب ٹائپ میں عمدہ چھپی ہے، اور مجلد ہے صفحات ۱۹۴، قیمت ۴/- اور مع ضمیمہ ۴/- پتہ ۲- حیدری اور نٹیل بک ڈپو، اکبر منزل، دہلی،

ثالث بالآخر یہ فسانہ ترکی سے جناب سید سجاد حیدر صاحب بی اے ایلو، کے قلم سے اردو میں نقل ہوا ہے، یہ کتاب بہت پہلے شائع ہو چکی تھی اب اس کا طبع دوم دارالاشاعہ پنجاب لاہور نے شائع کیا ہے، ترکی افسانوں کو سید صاحب جس حسن و خوبی سے اردو کا لباس پہناتے ہیں وہ مستغنی عن البیان ہے، ۸۲ صفحوں کے ایک چھوٹے سے افسانہ میں اس ترکی ادیب (احمد حکمت) نے ترکونگی خانگی معاشرت کا نہایت لطیف و پراثر منظر دکھایا ہے، قیمت ۸/- پتہ ۳- دارالاشاعہ پنجاب، لاہور،

آئینہ حرم، جناب زاہدہ خاتون شروانیہ مرحومہ بنت نواب منزل اللہ خان صاحب بالقابہ جو اکثر اپنا نام زرخ، ش لکھا کرتی تھیں، ہماری تعلیم یافتہ حلقہ خواتین میں علمی و ادبی حیثیت سے بہت بلند پایہ تھیں، افسوس کہ مرحومہ نے چند مہینے ہوئے کہ کم عمری میں وفات پائی، اونکی اردو نظمیں نہایت پاکیزہ اور پراثر ہوتی تھیں اور عورتوں کی اکثر نظموں کے برخلاف اغلاط اور عیوب سے پاک ہوتی تھیں، اونکی فارسی لیاقت معمولی سے بہت زیادہ تھی زمانہ رسائل میں اکثر اور مردانہ رمانوں میں گاہ گاہ اونکے نتائج ادکار شائع ہوا کرتے تھے، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب سال میر خسرو کی یادگار میں ایک تحریری مشاعرہ کرتے ہیں، اور غزلوں کے انتخاب کے لیے ایک کمیٹی بناتے ہیں، پہلے سال کے مشاعرہ میں اونھوں نے میرا نام بھی کمیٹی کے ممبروں میں رکھا تھا



جہان تک یاد آتا ہے، میرے انتخاب میں خاتون مرحومہ کا دوسرا نمبر تھا، اس وقت یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہ مجھے علم و عفاف اس قدر جلد مت جائیگا، بہر حال اب ادنیٰ زندگی کی یادگار اس کے بھی تیار ہو چکی ہیں، دارالاشاعت پنجاب نے انہیں کا مجموعہ آئینہ حرم کے نام سے چھاپا ہے، قیمت ۱۰ روپے۔

دارالاشاعت پنجاب، لاہور

ذکر خواجہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے حالات اور ادب کی موجودہ خانقاہ وردھنہ کے احوال میں جناب مقبول احمد صاحب نظامی نے یہ چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے، اور اچھا لکھا ہے، واقعات مستند تاریخی کتابوں اور تذکروں سے جمع کیے ہیں، قیمت ۸ روپے۔ مولوی مقبول احمد صاحب نظامی، سیوہارہ ضلع بجنور

ترکی میں عیسائیوں کی حالت، یہ رسالہ ترکی انجمن تبلیغ نے یورپ میں شائع کیا تھا، مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، اور دارالاشاعت سیاسیات مشرقیہ دہلی نے اسکو شائع کیا ہے، رسالہ مستند حوالوں سے لکھا گیا ہے اور نہایت پر معلومات ہے، آخر میں ترکی شہر دن کی قومی مردم شماری درج ہے، قیمت ۵ روپے، پتہ دارالاشاعت سیاسیات مشرقیہ، دہلی،

خطبہ صدر آل انڈیا مسلم لیگ منعقدہ احمد آباد، ۳ دسمبر ۱۹۴۷ء از مولانا حسرت موہانی جب پور اپریل کو دہلی میں پیش کیا گیا، اس کے تحت گرفتار کر کے مقدمہ چلا گیا اور دو سال قید سخت کی سزا دی گئی۔ قیمت ۲ روپے

یادگار وفا۔ انتخاب دیوان حکیم عبدالمادی خان مرحوم و فاضل دیوان گستاخ، کرامت اللہ صاحب جو گستاخ دیوانی دیوان میر حسن صاحب ثنوی شہو بہت حسرت موہانی ۵ دیوان مصحفی۔ مرتبہ حسرت موہانی

اشرف۔ شاگرد نسیم دہلوی ۵ شیفٹہ تذکرہ شیفٹہ ۵

جرات۔ قائم چاند پوری ۵

جموعہ مینی ثنوی سرائے سوز اختر، آسٹریٹ نواب محبت خان ثنوی طلعت اشرف شمس لکھنوی مع حالات آخرت محبت شمس از حسرت موہانی

المشاہدہ بیگم حسرت موہانی حسرت رود کا پنور

جلد ۱۳۳۳  
ماہ صفر ۱۳۳۳ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۱۲ء  
عدد چہارم

### مضامین

- شذرات  
تاریخ تصوف کے چند اوراق  
مولوی عبدالمعین صاحب بی اے ۲۲۹-۲۶۹
- اسلامی ہندوستانی عوامی خدمت  
مولوی حافظ احمد علی خان مناشق ۲۴۰-۲۴۳
- ہندوستان اور اسلامی عہد حکومت  
۲۴۴-۲۴۶
- شاہان اسلام اور شوق حیوانات  
مولوی ابو خرسید احمد مناجوی ۲۴۷-۲۹۳
- پیڈ وائیو نیورسٹی اور ہندوستان  
۲۹۳-۲۹۶
- قدیم تاریخ ہند کے دو مسئلے  
۲۹۶-۲۹۹
- قوت حلقہ کی ایک حیرت انگیز مثال  
۲۹۹-۳۰۱
- اخبار علمیہ  
۳۰۴-۳۰۶
- ادبیات  
جناب حسرت و عزیز لکھنوی ۳۰۸-۳۰۹
- اوراق پارسیہ  
۳۱۰-۳۱۴
- مطبوعات جدیدہ  
۳۱۸-۳۲۰

### اسوہ صحابہ جلد دوم

از مولانا عبدالسلام ندوی

کتاب مذکور کا دوسرا حصہ حسین صاحب کرام کا نظام سیاسی اور ملکی انتظامات اور علمی خدمات کی تفصیل ہے،

توضیحات فقہ، اسرار دین، تصوف وغیرہ علوم جسار صاحب محمد بن پیدا ہو چکے تھے ان کی تفصیل ہے، ضخامت ۲۵۰ صفحات قیمت ۲ روپے